خون کی ہولی
مسلمانانِ امرتسر کی مظلومیت و بے سروسامانی
کے
دردانگیز اور سبق آموز حالات
بم کے تھے قہقہے، پچکاریاں بندوقوں کی
ہم سے یاروں نے عجب رنگ کی ہولی کھیلی
کوئی روپوش یہاں، کوئی پناہ گیر وہاں
بھاگتے دوڑتے خوب آنکھ مچولی کھیلی

فہرستِ مضامین

اِنتساب

لاکھوں سرفروش و جانباز مجاہدوں کے نام سے
جنہوں نے
پاکستان کے قیام و بقا کے لئے
کیلئے
اپنی دولت — اپنی عزت — اور اپنی ہستی
قربان کی
یہ ناچیز تصنیف
نہایت احترام کے ساتھ
معنون کرتا ہوں

لاہور (پاکستان)	ذوخ امرتسری

امرتسر

۱۔ امرتسر کا سنگِ بنیاد سکھوں کے چوتھے گورو رام داس جی نے
شہنشاہ اکبر کے عہد میں حضرت میاں میر صاحب کے مقدس ہاتھوں سے رکھ
۲۔ سکھوں کا سب سے مشہور مندر دربار صاحب امرتسر میں ہے، جو د
کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔
۳۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا گرمائی صدر مقام امرتسر میں تھا۔
۴۔ ۱۹۰۶ء میں سیاسی جدوجہد کا زور بنگال کے بعد امرتسر میں ہوا۔
۵۔ گزشتہ سیاسی دور کے آتش بیان لیڈر سردار اجیت سنگھ (۱۹۰۷ء) میں
امرتسر میں گرفتار ہو کر لالہ لاجپت رائے کے ساتھ مانڈلے جلاوطن کئے گئے
۶۔ ہندو مسلم اتحاد کا عدیم النظیر مظاہرہ ۱۹۱۹ء میں بمقام امرتسر ہوا۔
۷۔ جلیانوالہ باغ کا مشہور حادثہ امرتسر میں ہوا۔
۸۔ ہندوستان میں سب سے پہلے مارشل لا کا نفاذ امرتسر میں ہوا۔
۹۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے اجلاس ایک ہی وقت امرتسر میں ہوئے۔
۱۰۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے صدروں کا مشترکہ جلوس امرتسر میں نکلا۔
۱۱۔ کانگرس کا سب سے بارونق اجلاس (۱۹۱۹ء) امرتسر منعقد کیا گیا۔
۱۲۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے صدر ایک ہی گاڑی میں بمقام امرتسر بیٹھے
۱۳۔ خلافت کانفرنس کی داغ بیل امرتسر میں پڑی۔
۱۴۔ تنظیم کانفرنس کا آغاز امرتسر سے ہوا۔
۱۵۔ قیام پاکستان پر سب سے بڑا فرقہ وارانہ جدال و قتال امرتسر میں ہوا۔
جس کی وجہ سے ۲۵ لاکھ قتل و مجروح اور ۷۵ لاکھ خانہ بدوش ہو گئے

داغہائے سینہ

"تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں دفتر پارینہ را"

آپ خیال کریں گے، کہ تین سال کے بعد امرتسر کے حالات شایع کرنا "باسی کڑھی میں اُبال" کے مصداق ہے۔ اگرچہ بعض احباب نے اپنے رنگ میں ایسے حالات شایع کئے ہیں۔ مگر اکثر واقعات جو ضروری، موثر اور دردانگیز تھے، ان میں نہیں۔

علاوہ ازیں میں نے دو دفعہ یہ کتاب لکھی۔ اور جن اصحاب نے اس کی اشاعت کا ذمہ لیا تھا۔ انہوں نے نہ کتاب شایع کی۔ اور نہ مسودہ واپس کیا۔ اس لئے اس کتاب کی ضرورت کے پیش نظر اور اکثر احباب کے تقاضے پر یہ کتاب بعض ضروری مضامین کے اضافہ سے شایع کرتا ہوں۔

امرتسر کے خونچکاں حالات مقامی حیثیت ہی نہیں رکھتے، بلکہ اُس دیرینہ سازش، کاوش اور جذبۂ انتقام کا نتیجہ ہیں، جو برادران وطن کی سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ظہور میں آئے۔

امرتسر سکھوں اور ہندوؤں کا مذہبی مرکز تھا۔ اور جس کو لالہ ہردیال ایم اے نے ۱۹۲۲ء میں جرمنی سے مشورہ دیا تھا۔ کہ "آیندہ انقلاب اور بھارت کی آزادی کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے۔ امرتسر کو اپنا مرکز بناؤ۔ سکھ اور ہندو اتحاد کی کوشش کرو۔ ہندوؤں کو لازم ہے۔ کہ سکھوں کو اپنا رفیق

بنانے کے لئے اُن کے تیوہار اسی طرح منائیں، جس طرح اپنے منائے ہیں۔ اور اُن کے بزرگوں کا ویسا ہی احترام کریں، جیسا اپنے اوتاروں اور رشیوں کا کرتے ہیں۔

امرت سر ہی کو اپنا فوجی مرکز بناؤ۔ یہیں فوجی بھرتی کرو، اور یہیں سے آگے بڑھو۔"

تارا سنگھ نے کئی بار اس امر کا اعادہ کیا ہے۔ کہ

"امرتسر سکھوں کا مکہ ہے۔ جب کوئی غیر قوم مکہ میں نہیں رہ سکتی، تو مسلمان امرتسر میں کس طرح رہ سکتے ہیں۔"

یہی وجہ ہے۔ کہ سکھوں اور ہندوؤں کا پہلا انقلاب انگیز خونی حملہ امرت سر کے مسلمانوں پر ہوا۔ ریاستی فوجیں ان کے ساتھ تھیں۔ انگریز گورنر اور حکام اُن کے ساتھ سازش میں شریک تھے۔ بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے۔ مسلمانان امرتسر کی حفاظت، سکونت اور اعانت سے انکار کر دیا۔ گویا برادران ہنود کا تمام نزلہ سازش و عناد مسلمانان امرتسر کے عضو ضعیف پر گرا۔

مسلمان نیکدل، سادہ لوح اور خوش اعتماد ہے۔ اسکی فطرت میں فراموش گاری اور روا داری کے جوہر مرموز ہیں۔ لیکن انہیں اب اس عبرتناک واقعہ، نہیں حادثہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اور جو اُن پر بیتی ہے۔ اسے ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے۔ یہی غرض اس کتاب کی اشاعت سے ہے۔ افسوس باوجود اس تازہ ستم رانی اور آئے دن کی ایذا رسانی کے ارباب بھارت کو خوش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ خدا ہمیں ہدایت اور دوست دشمن میں تمیز کرنے کی توفیق دے۔ (فرخ)

ہمارا پس منظر

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولا برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا (غالب)

مسلمان ہندوستان پر آٹھ سو سال مسلط رہے ہے۔ انہوں نے ہندوؤں اور غیر اقوام سے نہ صرف مساویانہ بلکہ ترجیحی سلوک کیا۔ مگر اسلامی حکومت کے انقلاب پر ندوہ تمام احسانات ہی فراموش ہو گئے۔ بلکہ صدیوں کی ماتحتی کے ذہنی اثرات بغض و عناد کا گرد و غبار بن کر اُن کے آئینۂ دل پر چھا گئے۔ اور انگریزوں کی حکمتِ عملی و حوصلہ افزائی نے اُن کو دلیر کر دیا۔ مگر چونکہ وہ انگریزوں کے شاگرد تھے۔ اس لئے اپنے متعدانہ عزائم کو چھپاتے رہے ــــ مسلمانوں سے اتحاد و یگانگت کی کوشش بظاہر اُن کا منتہائے مقصود رہا۔ کانگرس کا یہی مقصد تھا۔ کہ ایک قومی جماعت کے نام سے مسلمانوں کو ہندوستانی قومیت کا ایک جزو بنا کر اپنے میں مدغم کیا جائے۔ لیکن اس گئی گذری حالت میں بھی مسلمانوں میں ایسے دوراندیش، ثقہ بیں اور نکتہ رس بصر موجود تھے۔ جنہوں نے لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لیا۔ اور حقیقت بھی یہ ہے۔ کہ خلوص و محبت اور کینہ و عناد کو لاکھ مصلحتوں اور رازداریوں کے پردہ میں چھپایا جائے۔ مگر وہ چھپے نہیں رہ سکتے۔ ؎

دل ما بدل رہیست دریں گنبد سپہر
از کینہ سوئے کینہ و مہر سوئے مہر

مسلمانانِ ہند کے علیحدہ توطن کا خیال جمال الدین افغانی کے دل میں تھا۔

اور راندۂ درونِ پردہ کو معلوم کرنے کا شرف سرسید مرحوم کو حاصل ہُوا۔ جنہوں نے مسلمانوں کو دوسری قوموں کی سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ رہ کر من حیث القوم ترقی کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن ۱۹۰۶ء میں لارڈ کرزن نقسیم بنگال کے عمل سے کانگریس اور ہندو میں ناراضی پھیل گئی۔ اور انہوں نے زبردست جلسوں، جلوسوں، تقریروں اور آتش افروز تحریروں سے سارے ہندوستان میں فتنہ و شر کی آگ بھڑکا دی۔ خنجروں، پستولوں اور بموں کے آزادانہ استعمال سے سرکاری افسروں اور طرفداران حکومت پر قاتلانہ حملے شروع کر دیئے۔ کانگرسی مسلمان تو عام مظاہروں میں ہندوؤں کے ساتھ شریک تھے۔ مگر مسلمانوں کی غالب اکثریت ان سے الگ رہی۔ لارڈ کرزن نے مشرقی بنگال و آسام کا نیا صوبہ جو بنایا۔ اس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اور اس میں مسلمانوں کو فائدہ تھا۔ جو ہندوؤں کو ناگوار گزرا۔ اور وہ تقسیم بنگال کا عذر پیش کر کے میدان جدوجہد میں اتر آئے۔ کانگرس کا زور بڑھنے لگا۔ حکومت برطانیہ نے اس آگ کو بجھانے کے لئے عقل و تدبر کی آب افشانی کا عزم مصمم کر لیا۔

چنانچہ مسٹر مارلے وزیر ہند نے جولائی ۱۹۰۶ء میں پارلیمنٹ میں ہندوستان کو اصلاحات سے متمتع کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس سے متاثر ہو کر مسلمان سیاسیین کا ایک وفد سر آغا خان کی قیادت میں بماہ اکتوبر ۱۹۰۶ء بمقام شملہ لارڈ منٹو وائسرائے ہند کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور حسب ذیل مطالبات پیش کئے:۔

۱۔ مسلمانوں کے لئے کونسلوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، میونسپل کمیٹیوں میں جداگانہ نیابت

۲۔ اعلیٰ ملازمتوں میں مناسب حصّہ

۳۔ ایسے صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، توازن۔

۴- ایگزیکٹو کونسلوں میں مسلمان ممبروں کا تقرر

لارڈ منٹو نے حوصلہ افزا جواب دیا۔ جس سے اُمید بندھ گئی۔ کہ مسلمانوں کو من حیث القوم مناسب حصہ حاصل ہو گا۔

ان مطالبات کو منوانے اور مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے بتاریخ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء بمقام ڈھاکہ زیر صدارت نواب وقار الملک مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ اس پر ارباب کانگریس اور کانگریسی اخبارات بہت برافروختہ ہوئے۔

۱۹۱۶ء میں بمقام لکھنؤ زعمائے کانگریس و مسلم لیگ کے مشورہ سے ایک معاہدہ "میثاق لکھنؤ" کے نام سے مرتب ہوا۔ اور دونوں جماعتوں نے بالاتفاق منظور کیا۔ جس سے ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد استوار کی گئی۔ اور کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں میں ایک ہی جیسے ریزولیوشن پاس ہونے لگے

ہندو مسلم اتحاد کا شاندار اور بے مثل مظاہرہ ۹ را پریل ۱۹۱۹ء کو ظہور میں آیا۔ جبکہ رولٹ ایکٹ کی وجہ سے ہندو مسلمان برافروختہ تھے۔ شہر میں خوب چہل پہل تھی۔ ہندو مسلمان شیر و شکر تھے "من تو شدم تو من شدی" کا روح افزا منظر باصرہ نوازی کر رہا تھا۔ پھل پھول اور مٹھائی کے لنگر جاری تھے شربت کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔ ہندو مسلمان ایک ہی گلاس میں پانی پیتے تھے اور "ہندو مسلمان کی جے" کے فلک شگاف نعرے لگائے جاتے تھے۔

امرتسر کے سیاسی ہیرو ڈاکٹر کچلو ایک چلتی پھرتی شمع تھے۔ جدھر گئے ہزاروں لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ گلے میں پھولوں کے اس قدر ہار تھے کہ بے تکلف یہ مصرع زبان پر آجاتا تھا۔ ؎

نزاکت سے دبے جاتے ہیں وہ پھولوں کے زیور میں

"ڈاکٹر کچلو کی جے" اور "ہندو مسلمان کی جے" کے فلک شگاف نعرے فضا میں گونج رہے تھے۔ مگر ان کا یہ وقار فلک کینہ پرور سے دیکھا نہ گیا۔ مقامی حکام کے دل کانپ اٹھے۔ اور انہیں دوسرے ہی روز گرفتار کر کے کسی غیر معلوم مقام کو بھیج دیا گیا۔

بس پھر کیا تھا۔ ہندو مسلم اتحاد انتہائی عروج پر تھا۔ امرتسر ہنگامہ زار بن گیا۔ تین دن حکومت کا کاروبار معطل رہا۔ ۱۳ اپریل کو جنرل ڈائر نے جلیانوالہ باغ میں گولی چلائی۔ جس سے سینکڑوں ہلاک اور زخمی ہوئے۔ مارشل لا نافذ ہوا۔ ماہ دسمبر میں کانگرس کا اجلاس قرار پا چکا تھا۔ مگر مدعو کرنے والے تمام کارکن اور لیڈر گرفتار ہو چکے تھے۔ اس حادثہ سے ہندوستان اور برطانیہ میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اور آخر حکومت برطانیہ کو اپنی گرفت ڈھیلی کرنی پڑی۔ اپنی بے اعتدالی اور جنرل ڈائر کی غلطی کا اعتراف کیا۔ تمام گرفتار شدہ اور سزا یافتہ لیڈروں کو عین اجلاس کانگرس کے موقعہ پر رہا کر کے "اتحاد" کی ہمہ گیر طاقت کا اعتراف کرنا پڑا۔

کانگرس اور مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر میں ہوئے۔ دونوں مجالس کے صدر صاحبان کا مشترکہ جلوس نکلا، پنڈت موتی لال نہرو اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں ایک ہی گاڑی میں رونق افروز تھے۔ جس سے ملک کا سیاسی منظر نہایت تابدار نظر آتا تھا۔ کانگرس اور مسلم لیگ کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔ دونوں جماعتیں ہم کلام اور ہم آہنگ تھیں۔ چنانچہ دونوں کے سالانہ اجلاس بھی ایک ہی مقام پر ہونے لگے۔

مگر چند سال کے بعد یہ طلسم باطل ہو گیا۔ ہندو اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوئے۔ آرہ، کٹارپور وغیرہ میں مسلمانوں پر ہولناک مظالم توڑے گئے۔ ۱۹۲۴ء میں عام

فسادات شروع ہو گئے۔ تمام پنجاب میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ امرتسر میں اس زور کا فساد ہوا جس شان کا اتحاد تھا۔ یہاں کے بے تاج بادشاہ (ڈاکٹر کچلو، مقدمہ کراچی کے فیصلے کے مطابق جیل میں تھے۔ ایک گلاس میں پانی پینے والے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ہر محلہ، ہر علاقہ میدانِ جنگ بن گیا۔ کئی بے گناہ مسلمان ہندوؤں کے رسوخ اور دولت کے بل پر قتل، زخمی، قید اور سزائے موت کے مستوجب ہوئے۔ اتحاد کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ پھر نہ جمے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنی قوم کو منظم کر لیا تھا۔ جا بجا ورزش گاہیں اور اکھاڑے قائم تھے۔ کشتی، گتکہ بازی اور لاٹھی چلانے کا باقاعدہ انتظام تھا۔ عورتیں بھی اسلحہ کے استعمال میں چاق چوبند تھیں۔ خنجر اُن کی کمر میں لٹکے رہتے تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے مضبوط ڈنڈے اُن کے ہاتھوں میں۔ وہ باقاعدہ سیر کو نکلتیں اور ورزش کرتیں۔ مالویہ جی کے سنگٹھن نے ہندو قوم کے زن و مرد کو ایک جنگجو قوم بنا دیا۔ اُدھر سوامی شردھانند نے شدھی کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جس سے ہزاروں ملکانہ راجپوت مالویہ جی کی سینا میں شامل ہو کر جوش ارتداد میں مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔

ان حالات سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اقبالؒ نے جمال الدین افغانی اور سر سیدؒ کے نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قوم کو متوجہ کرنے کا اقدام کیا یعنی ۱۹۳۰ء کے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ الٰہ آباد میں اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کے جداگانہ ملک کی تجویز پیش کر دی۔ جس سے "ہندوستان ہمارا ہے" اور "نیا شوالہ" کے مصنف کے خلاف ہندو اخبارات نے زہر اگلا اور مقرروں نے دل آزار تقریریں کیں۔ مگر انہیں یہ خیال نہ آیا کہ جب انہوں نے من حیث القوم مسلمانوں پر مخفیانہ حملے کئے تو ڈاکٹر اقبال جو صاحب ضمیر اور ہندو کردار سے بخوبی واقف تھے۔ کس طرح اپنی

قوم کی تباہی کا سامان دیکھ کر خاموش رہتے۔ اور اس کی حفاظت و مدافعت کی طرف توجہ نہ فرماتے۔

ڈاکٹر اقبال کے اس بروقت احساس نے مسلمانوں کو خبردار کر دیا۔ اور ہر طرف ان کی تجویز کی تائید میں صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اسلامی مجالس نے قرار دادیں منظور کیں۔ اور اخبارات و رسائل نے مدلل و موثر مقالے شایع کئے۔ اکثر حقیقت شناس ہندوؤں اور انگریزوں نے اس تجویز کو ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی فلاح و امن کا ذریعہ تسلیم کیا۔

سنہ ۱۹۴۰ء کے اجلاس مسلم لیگ (لاہور) میں جو قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ مسلمانوں کے ایک جداگانہ ملک کی باقاعدہ تجویز منظور کر لی۔ جسے خود ہندوؤں نے پاکستان کا نام دیا۔ اور مسلمانوں نے پاکستان کے قیام کے لئے باقاعدہ جدوجہد شروع کر دی۔

سنہ ۱۹۴۶ء میں کونسلوں کے انتخابات ہوئے۔ یجس لیٹو اسمبلی میں تمام مسلم لیگی اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ کانگرسی مسلمان ایک نشست بھی حاصل نہ کر سکے۔ مسلمانوں کی اس کامیابی پر تمام پارلیمنٹری دنیا نے مان لیا۔ کہ انتخابات میں ایسی کامیابی کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی طرح صوبائی انتخابات میں ہندو اکثریت کے صوبوں میں بھی مسلم لیگ ہی کامیاب ہوئی۔ اس حقیقت نے انگریزوں کی آنکھیں کھول دیں۔ ہندوؤں کو یقین ہو گیا۔ کہ اب پاکستان کا مطالبہ پورا ہو کے رہیگا اور اسے مسترد کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگرسی وزارتوں نے چھ ماہ کے عرصہ میں اپنے عزائم و مقاصد کا پوری طرح اظہار کر دیا۔ کہ متحدہ قومیت کی منادی ابلہ فریبی اور مکاری تھی۔ اس قلیل عرصہ میں جس قدر مظالم مسلمانوں پر ہو سکتے تھے کئے گئے۔

چنانچہ روشن خیال ہندوؤں اور منصف مزاج سکھوں نے بھی کانگرسی حکومتوں کی اس ظالمانہ روش پر اظہارِ نفرت کیا۔

انڈین نیشنل فیڈریشن کے صدر مسٹر چمن لال سیتلواد نے کانگرس کے بلند بانگ دعاوی اور کانگرسی وزارتوں کے مذموم طریق کار کے خوب دھوئیں اڑائے — پنجاب کے مشہور کانگرسی لیڈر سردار سردول سنگھ کویشر نے زبردست احتجاج کیا۔ اور مہاتما گاندھی کو ایک زبردست چٹھی لکھی۔

سر سٹیفورڈ کرپس کی آمد، لارڈ ویول کی کانفرنس، پارلیمنٹری وفد کے ظہور، اور وزارتی مشن کے نزول اجلال پر جس ہٹ دھرمی اور خود غرضی کا ثبوت کانگرس نے دیا، وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ صرف قائدِ اعظم کی عظیم المرتبت، اور ناقابلِ تسخیر شخصیت تھی، جس نے انگریزی وفود اور کانگرسی نمایندوں کو اپنی ہمہ گیر سیاست اور باطل شکن استدلال سے ہر محاذ پر نمایاں شکست دی۔

لاہور کے بعد امرتسر سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ پنجاب مسلم لیگ کے نائب صدر شیخ صادق حسن کے زیر ہدایت خاطر خواہ کام ہو رہا تھا۔ سٹی مسلم لیگ اور اس کی علاقائی شاخیں عوام کو منظم و مربوط کرنے میں سرگرمی سے معروف تھیں عوام جلسوں میں اُڑ کر پہنچتے تھے۔ اخبار بینی کا بے حد شوق تھا۔ جس وقت اخبار آتا، مختلف مقامات پر جمگھٹے لگ جاتے۔ ان پڑھ بھی اپنا کام کاج چھوڑ کر اخبار کی خبریں اور سیاسی حالات سنتے اکثر ان پڑھ خود اخبار خریدتے، اور کسی پڑھے ہوئے دوست سے بالالتزام روزانہ سنتے۔ ریڈیو کے اوقات پر جہاں ریڈیو ہوتا، جمع ہو جاتے۔ غرضیکہ عوام کو سیاسیات میں اس قدر واقفیت اور دلچسپی ہو گئی۔ کہ اعلیٰ ادنیٰ تعلیم یافتہ اور ان پڑھ۔ گویا ایک اعلیٰ پایہ کا اہل الرائے اور سیاست دان ہے۔ وہ بڑے بڑے لیڈروں کی تقریروں اور بیانات پر آزادانہ

تبصرہ اور تنقید کرتے تھے۔

مسلمانانِ امرتسر کے خلوص اور استقلال کا امتحان ۱۹۴۷ء کی سول نافرمانی سے ہوا۔ جب ۲۴ جنوری کو صوبائی لیڈروں کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا۔ تو مسلمانانِ امرتسر کے دلوں میں بھی جوش و اضطراب کی لہر پیدا ہو گئی جلسوں، جلوسوں اور ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جلسے بارونق، جلوس پرشکوہ۔ ہڑتالیں مکمل، منڈیاں، دوکانیں، ادارے، کارخانے سب بند۔ جلسوں اور جلوسوں میں چالیس چالیس پچاس پچاس ہزار افراد شرکت کی شرکت۔

یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے۔ کہ ابتدائی دور ہی میں لیڈروں کے گرفتار ہونے کے باوجود تحریک روز بروز زور پکڑتی گئی۔ اور ہر روز بڑھ چڑھ کر جلسے ہوتے، اور جلوس نکلنے شروع ہو گئے۔

لاٹھی چارج ہوتا، تو اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ آتی۔ مردانہ وار ضربیں برداشت کرتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے۔

اشک آور گیس کے بم پھٹتے تو بھاگنے کا نام نہ لیتے۔ بیہوشوں کو سنبھالتے اور اپنی حفاظت کا سامان کرتے۔

عورتوں نے ان مظالم کا نہایت ہمت اور جوش و استقلال سے مقابلہ کیا۔ بعض تو اپنے شیرخوار اور خوردسال بچوں کو آغوش میں لئے "مسلم لیگ زندہ باد" اور "خضر حیات مردہ باد" کے نعرے بلند کرتی جاتی تھیں۔

چھوٹے چھوٹے لڑکے جلوس مرتب کر کے سبز جھنڈیاں ہاتھوں میں لئے گلی کوچوں میں پھرتے نظر آتے تھے۔

۱۴ فروری کو شہر میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ ۲ بجے انجمن پارک میں ایک عظیم

جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں پُرجوش نظموں، زبردست تقریروں کے بعد ایک بہت بڑا جلوس مرتب ہوکر ضلع کچہری کی طرف چلا۔ ریالٹو کے پاس پولیس نے روک دیا۔ پولیس اور عوام میں کشمکش شروع ہوگئی۔ آخر پولیس نے اشک آور گیس چھوڑی، دھوئیں کی ایک خوفناک دیوار درمیان میں حائل ہوگئی۔ لیکن چند گھوڑ سوار نوجوان جو جلوس کے آگے تھے۔ اسے چیرتے ہوئے نکل گئے۔ اور پیچھے پیدل جلوس والے چلے گئے۔ یہ منظر واقعی ایک میدان جنگ کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ جب جلوس کا اگلا سرا کچہری کے چوک میں پہنچا، تو پولیس کی زبردست جمعیت سدِراہ تھی۔ اور باہمی کشمکش ہوئی۔ لیکن چند منچلے نوجوان سینہ سپر ہوکر آگے بڑھے اور ڈپٹی کمشنر کے دفتر پر جس کی چھت بہت بلند تھی، چڑھ گئے۔ ایک دلیر نوجوان نے لہراتے ہوئے یونین جیک کو نیچے پھینکا۔ اور اپنا سبز ہلالی پرچم نصب کردیا۔

اس مرحلے پر تصادم کا سخت اندیشہ تھا۔ مگر لیڈروں کے بیچ بچاؤ سے جلوس مڑ گیا۔ اور جیل خانہ کی طرف جو ایک دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا روانہ ہوگیا۔ جیل کے دروازہ پر جاکر "اللہ اکبر"، "مسلم لیگ زندہ باد"، "خضر وزارت مردہ باد" کے نعرے بلند کیے۔ اور جیل پر اپنا ہلالی پرچم لہرایا۔ یہاں سے مقید لیڈروں کی ہدایت پر جلوس منتشر ہوگیا۔

عورتوں کا جلوس

اس سے قبل عورتوں کے متعدد جلوس نکلے۔ اور انہوں نے نہایت عزم و استقلال سے زبردست مظاہرے کئے۔ لیکن ۲۰ فروری کو عورتوں نے جو جلوس نکالا۔ وہ اپنی شجاعانہ مثال کے لحاظ سے عدیم النظیر تھا۔

یہ جلوس ۱۲ بجے شام ریلوے پل پر پہنچا۔ جہاں خاردار تار لگا دیئے گئے تھے تاکہ یہ جلوس کچہری کی طرف نہ جاسکے۔ مگر عورتوں نے خاردار تار پھاندنے کی

کوشش کی ۔ پولیس نے اشک آور گیس کے بم برسانے شروع کئے ۔ اور اس قدر گیس برسائی کہ دھواں دور دور تک شہر میں پہنچ گیا ۔

بہادر عورتیں ذرا خائف نہ ہوئیں ۔ پانی سے منہ دھو کر ، آنکھیں صاف کر کے کچھ تو پولیس کی صفوں کو توڑ کر اور کچھ دوسرے پل سے گذر کر کچہری روڈ تک پہنچ گئیں ۔ ڈاکخانہ کے پاس پولیس نے پھر روکا ۔ اس جدوجہد میں کچہری کا وقت ہو چکا تھا ۔ وہ جلوس کی صورت میں ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی تک پہنچ گئیں ۔ اور وہاں سے فاتحانہ صورت میں شہر کو واپس آئیں ۔

اسلامی شجاعت اور جاں نثاری کا بے نظیر منظر

۲۴ فروری کو اسیران مسلم لیگ کا (ایک مہینہ گذر جانے پر) یادگار دن منایا گیا ۔ شہر میں مکمل ہڑتال ہوئی ۔ بعد دوپہر عید گاہ میں بہت بڑا جلسہ ہوا ۔ جس میں عوام کو منظم اور پر امن رہنے کی ہدایت کی گئی ۔

۲½ بجے بعد دوپہر پچاس ہزار آدمیوں کا زبردست جلوس مرتب ہوا ۔ اور رامباغ جانے لگا ۔ ریلوے پھاٹک پولیس نے بند کر رکھا تھا ۔ لوگوں نے پھاٹک توڑ دیا ۔ اور آگے بڑھنے لگے ۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا ۔ حد سے زیادہ اشک آور گیس چھوڑی ۔ ایک فوجی کپتان (انگریز) نے گولی چلا دی ۔

عوام اس سہ گونہ یورش کو برداشت نہ کر سکے ۔ بہادرانہ مدافعت کے لئے تیار ہو گئے ۔ ریلوے لائن سے اینٹ پتھر لے کر مقابلہ شروع کر دیا ۔ پولیس کے پاؤں اکھڑ گئے اور جلوس رامباغ میں داخل ہو گیا ۔ پولیس نے رامباغ کے آخری سرے پر مورچہ لگایا ۔ یہاں بھی اینٹ اور پتھروں کی بارش نے پولیس اور کپتان پولیس کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا ۔ اور جلوس ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی پر جا کر رکا ۔ وہاں سب نے نماز پڑھی ۔ رہنماؤں نے عوام کو منتشر ہونے کا حکم

دیا۔ ابھی جلوس منتشر نہ ہُوا تھا۔ کہ پولیس نے حملہ کر دیا۔ کپتان پولیس نے چھوٹی مشین گن سے گولی برسانی شروع کی۔ لاٹھیاں برسنے لگیں۔ اشک آور گیس چھوڑی گئی۔ اب جلوس منتشر ہو کر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہو گیا۔ اور اس صورت میں مدافعت کرتا ہوا اسباغ پہنچ گیا۔ یہاں پھر معرکہ کارزار گرم ہُوا۔ اور باغ کے مختلف قطعات رزمگاہ بن گئے۔ قریب شام جنگ ختم ہوئی اور ہسپتال میں زخمیوں کا تانتا بندھ گیا۔ بے شمار لوگ اپنے گم شدہ عزیزوں کو دیکھنے کے لئے آ گئے۔ انتقامی جذبات سے بے بس پولیس نے ہسپتال میں بھی بے دریغ اشک آور گیس کے بم برسائے جس سے مریضوں کے کمرے بھی دُھواں دھار ہو گئے۔

پولیس کے ان کارناموں سے شہر بھر میں غم و غصہ کا طوفان برپا ہو گیا۔ لیکن سب نے صبر و سکون سے کام لیا۔

اس جنگ میں ایک مسلمان شہید اور ایک سکھ سپاہی ہلاک ہُوا۔ مسلمانوں کے ایک سَو کے قریب زخمی ہُوئے۔ اور پولیس کے پچیس تیس۔

۲۵ فروری کو دروازہ خزانہ میں زبردست جلسہ ہُوا۔ اور ساٹھ ستر ہزار آدمیوں کا جلوس نکلا۔ اور گلوالی دروازے جا کر ختم ہُوا۔

۲۶ فروری کو مسلم لیگ اور حکومت کا سمجھوتہ ہو گیا۔ اور لیگ لیڈروں کی رہائی کا اعلان ہُوا۔

۲۷ فروری کو امرتسر کے لیڈر اور کارکن رہا ہُوئے

۲۸ فروری کو عیدگاہ میں بعد نماز جمعہ ایک بڑا جلسہ ہُوا۔ جس میں صوبہ لیگ کے لیڈر میاں افتخار الدین، سردار شوکت حیات اور میاں ممتاز دولتانہ شریک ہُوئے۔ انہوں نے نہایت مسرت خیز اور پُر اُمید تقریریں کیں۔

سردار شوکت حیات نے فرمایا:۔

"میں کوئی تقریر کرنے نہیں آیا۔ میں تو جانباز اور جاں سپار بھائیوں کے پاؤں چومنے کے لئے آیا ہوں۔"

تینوں لیڈر ہسپتال میں زخمیوں کو دیکھ کر اور ان کی مزاج پرسی کر کے تحقیقات کے لئے انبالہ روانہ ہو گئے۔ کیونکہ وہاں بھی پولیس کے وحشیانہ حملہ سے ۱۲ مرد ۳ عورتیں، ۲ بچے شہید اور ڈیڑھ سو کے قریب زخمی ہوئے۔

۲ مارچ کو یوم فتح منایا گیا۔ رات کو تمام شہر میں چراغاں ہوا۔ اور اسی روشنی میں ملک خضر حیات کی طرف سے ریڈیو میں یہ اعلان نشر کیا گیا۔ کہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے وزارت سے استعفاء دے دیا ہے۔ وہ کولیشن وزارت زیادہ دیر قائم رکھ کر مسلمانان پنجاب کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔

صبح کو یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اور ملک خضر حیات نے مسلمانوں کی فتح کو حقیقی فتح بنا دیا۔

یہ ہے ہمارا سیاسی پس منظر۔ اُمید ہے قارئین کرام کو اس سے اپنے اپنی اور اپنے دوستوں کی حالت و ذہنیت کا صحیح اندازہ کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

رکھنا سنبھل کے پاؤں اگر امتیاز ہے
دنیا میں ہر قدم پہ نشیب و فراز ہے

نیاز مند

فتح امرتسری

لاہور

یکم جنوری

۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خون کی ہولی

دورِ اوّل

فسادات اور ان کے اسباب

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفان سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو (اقبال)

مسلم لیگ کی حیرت انگیز کامیابی اور خضر وزارت کی شکست سے یہ قوی امکان پیدا ہو گیا تھا۔ کہ صوبہ پنجاب میں لیگ وزارت قائم ہو جائے گی۔ لیکن کانگرسی اور اکالی جو اس غیر آئینی وزارت کے کرتا دھرتا تھے۔ یہ برداشت نہ کر سکے۔ کہ عنانِ حکومت ان کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھ میں جائے۔ وہ بنگال میں اپنی ریشہ دوانیوں میں ناکام رہ چکے تھے۔ سندھ میں منہ کی کھائی تھی۔ اور سرحد میں بھی ان کی چالبازیوں کا جال ٹوٹنے والا تھا۔ کیونکہ وہاں بھی مسلم لیگ کانگرسی حکومت کے خلاف نبرد آزما تھی۔

مہاتما گاندھی۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے پنجاب میں اس غرض کے لئے اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ کو دانۂ بیہوشی کھلا رکھا تھا۔ جس کے اثر سے وہ طرح طرح کی دلخراش بولیاں بولتا۔ اور ایک تارغ کہنہ سال یا بوڑھا کرگس ہو کر شاہین بننے

کا دعویٰ کرنا تھا۔

اس نے کئی مواقع پر یہ مجذوبانہ بڑ ہانکی تھی۔۔ کہ

"اگر مسلمانوں کو ان کے مطلوبہ حقوق دیئے گئے۔ تو خون کی ندیاں بہادی جائیں گی"

"وہ نہ صرف مشرقی پنجاب۔ بلکہ سارے پنجاب سے مسلمانوں کو نکال دے گا"

"سکھ پنجاب کے مالک ہیں۔ انگریزوں نے پنجاب سکھوں سے لیا تھا"

"سکھ عنقریب خون کی ہولی کھیلیں گے"

چنانچہ ۳۔ مارچ ۱۹۴۷ء کو اس نے اسمبلی ہال (لاہور) سے باہر نکلتے ہوئے فتنہ پردازی کا آغاز کر دیا۔ ایک شر انگیز تقریر کی۔ ممکن تھا۔ کہ اسی موقعہ پر مسلمانوں اور ہندو سکھوں میں تصادم ہو جاتا۔ مگر خان افتخار حسین صدر مسلم لیگ پنجاب کے تدبر سے معاملہ ٹل گیا۔

لیکن دوسرے ہی دن لاہور میں سکھوں اور ہندوؤں کا مشترکہ جلسہ ہوا جس میں مسلم لیگ کو بُرا بھلا کہا گیا۔ پُرجوش جلوس نکالا۔ اس میں بھی زہر افشانی کی گئی۔ پولیس نے اس خلافِ قانون جلوس کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا۔ مگر جلوس والوں نے پولیس پر خشت باری کی۔ پولیس نے لاٹھیاں برسائیں۔ گولی چلائی۔ بس اسی روز لاہور میں سکھوں اور ہندوؤں کا نزلہ حکومت کی طرف سے ہٹ کر عضوِ ضعیف (مسلمانوں) پر گرا۔ حملہ شروع ہو گیا۔ کشت خون۔ آتش زنی۔ اور لوٹ مار کی واردا تیں شروع ہو گئیں۔ اور یہ وبا بجلی کی سرعت سے پنجاب کے تمام شہروں اور دیہات میں پھیل گئی۔

امرتسر میں ۴ مارچ کو جب یہ خبر پہنچی۔ اور چند سکھوں کے ہلاک اور زخمی ہونے کے حالات سکھوں نے سنے۔ تو وہ بوکھلا اُٹھے۔ اور ان کے مُنہ سے

کرفیو جاری ہوگیا۔ سکھ اخبار "اجیت" کا ضمیمہ ہال بازار میں پڑھا جا رہا تھا سکھ سُن سُن کر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد شام کے قریب ایک تانگے پر منادی کرنے والے سکھ آتے۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف بیہودہ نعرہ بازی شروع کی۔ اور "پاکستان مُردہ باد" کے نعرے لگاتے۔ ایک مسلمان لڑکے نے جو وہاں کھڑا تھا۔ "پاکستان زندہ باد" کی صدا بلند کی۔ اس پر منادی کرنے والے وحشی کرپانیں نکال کر چوک میں رقص کرنے لگے۔ گول ہٹی والا سکھ بھی آپے میں نہ رہ سکا۔ اس نے چند تلواریں دوکان سے نکال کر بازار میں پھینک دیں اور سکھوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اٹھالو۔ اور کوئی مسلمان زندہ جانے نہ پاتے"

یہ شور سن کر مسلمان بھی موقعہ پر پہنچ گئے۔ سکھ فرار ہو گئے۔ اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ اس رات سکھوں نے شہر میں اودھم مچا دیا۔ حملے شروع ہو گئے اور سارے بے چینی پھیل گئی۔

میں شام والے واقعہ کا اپنے مکان میں چند احباب سے ذکر کر رہا تھا۔ کہ ایک شخص نے شہر میں عام شور و فساد کی اطلاع دی۔ رات کے دس بجے چند احساس اور ہمدرد نوجوان ساری آبادی میں پھر نکلے۔ دروازے کھٹکھٹا کر لوگوں کو کہنے لگے۔ کہ

"خبردار ہو جاؤ۔ سکھ حملہ کرنے والے ہیں۔ مقابلہ کے لئے تیار رہو"

لوگوں میں پریشانی پھیل گئی۔ اس وقت نہ اسلحہ تھا۔ نہ گولہ بارود۔ حتیٰ کہ لاٹھیاں بھی نہ تھیں۔ ٹوٹی معمولی سوٹیاں۔ لکڑیاں اور جو کچھ مل سکا۔ فراہم کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اینٹ پتھر جو مہیا ہو سکے۔ چھتوں پر رکھ لئے۔

۵ مارچ کو تمام شہر میدان کارزار بنا ہوا تھا۔ مگر کوئی قابل ذکر معرکہ نہ ہوا۔

چوک پراگ داس کا حادثہ

ابتدائے فساد میں سب سے پہلا زہرہ گداز اور لرزہ خیز حادثہ چوک پراگ داس کا سانحہ تھا۔ چوک پراگ دربار صاحب اور بابا اٹل کے قریب تھوڑے فاصلے پر واقعہ ہے۔ جس کے گرد زیادہ سکھ اور اس سے کم ہندو آباد تھے۔ اس کی ایک دو گلیوں میں چار پانچ سو مسلمان آباد تھے۔ مگر فسادات کی خبر سن کر بہت سے لوگ چلے گئے۔ اور ستر اسی نفوس وہیں رہ گئے۔ ان پر چند کانگرسی اور اکالی لیڈروں کا اثر تھا۔ جنہوں نے یقین دلایا۔ کہ وہ ہرگز نہ جائیں۔ ان کا بال بیکا نہ ہوگا۔ سکھ ہمسایوں نے بھی ان کے امن و حفاظت کی ذمہ داری لی۔ اور عہد و ثیق کیا۔ کہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ شام کو انہیں کہا گیا۔ کہ حملہ کا خطرہ ہے۔ مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ مکانوں میں چلے جائیں۔ وہ مجبور تھے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر جس وقت انہیں شبہ ہوا۔ انہوں نے اندر سے کنڈیاں لگا لیں۔ سکھ آئے۔ اور کنڈیاں لگی ہوئی دیکھ کر ان مکانوں کے اوپر چڑھ گئے۔ چھتیں پھاڑ کر نیچے اترے اور قتل عام شروع کر دیا۔ بعض عورتوں کو کھونٹیوں سے لٹکا کر ان کے پیٹ چاک کئے۔ بعض کے نیچے آگ جلا دی گئی۔ بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے قتل کر کے ان کی جھولی میں ڈالا۔ اور پھر ان پر ہاتھ صاف کیا۔ اور طرح طرح کے مظالم سے ان کی جانیں لیں۔

یہ سب کچھ کر کے فرار ہو گئے۔ صبح جب شہر میں اس حادثہ کی خبر ہوئی۔ تو مسلم لیگ کے کارکن لاریاں لے کر آ گئے۔ سسکتے ہوئے عورتوں بچوں کو نکالا۔ زخمی اور مجروح مردوں کو لاریوں میں ڈالا۔ اچانک ایک گرتے ہوئے مکان سے درد ناک چیخیں سنائی دیں۔ دیوار میں ایک سوراخ تھا۔ اس سے آواز آ رہی تھی۔

مسلمان اس مکان پر چڑھ گئے۔ اور ملبہ ہٹایا۔ دیکھا۔ تمام مکان ملبے سے اٹا پڑا تھا۔ مگر ایک بڑا شہتیر جس کا ایک سرا دیوار سے لگا ہوا تھا۔ اور دوسرا ایک گز کے فاصلے پر زمین سے ملا ہوا۔ اس کے نیچے ایک زخمی آدمی پڑا تھا۔ جس کو خدا نے سکھوں کے حملے سے مکان گر جانے کے باوجود محفوظ و مصئون رکھا۔ اس آدمی کو بھی نکال کر لاری میں ڈالا گیا۔ اور یہ لاریاں وہاں سے روانہ ہو کر اسلامیہ کالج کو روانہ ہوئیں۔ جو زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کے علاج معالجہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

ان لاریوں میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے۔ لاریاں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ کہ زخمیوں کو تکلیف نہ ہو۔ جس طرف سے لاریاں گذرتی تھیں۔ مکانوں اور دوکانوں والے ان کے شور و فغاں سن کر نکل آتے۔ اور ان کی دردناک حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے۔ انہوں نے کیا دیکھا؟

کسی کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ کسی کے پاؤں۔ کسی کے جسم پر کرپان یا تلوار کے سخت گھاؤ ہیں۔ اور ان سے خون کی ندیاں جاری ہیں۔ بعض عورتوں کی چھاتیاں کٹی ہوئی ہیں۔ اور بعض کا سر لہولہان ہے۔ کسی کی ٹانگیں ندارد ہیں۔ اور کسی کے بازو غائب تھے۔

یہ خونچکاں منظر دیکھنے والوں کا کلیجہ پاش پاش ہو رہا تھا۔ جب یہ سسکتا ہوا قافلہ کالج کے احاطہ میں پہنچا۔ تو وہاں سینکڑوں لوگ موجود تھے ہر ایک یہی کہہ رہا تھا "آہ! یہ وحشت و بربریت! اس قسم کی بہیمیت تو کسی حیوان سے بھی نہیں ہو سکتی۔ جو ان انسان نما درندوں نے کی!"

یہ لرزہ خیز مظالم ایک منظم سازش کے ماتحت ہوئے۔ جو کچھ ہوا۔ ہمارے انسانیت کش سکیم کے ماتحت ہوا۔ اور راشٹریہ سیوک سنگ کی ہنومانی سینا کے خونچکاں کارناموں کی پیروی میں ہوا۔

کٹرہ جیمل سنگھ کی تباہی

کٹرہ جیمل سنگھ مسلمانوں کا تجارتی مرکز تھا۔ جہاں مختلف قسم کے گراں مایہ سامان سے دوکانیں بھرپور تھیں۔ اس میں مسلمانوں کے مکانات بھی تھے۔ اور ہندوؤں کے بھی ۶ مارچ کی رات کو ایک سکھوں اور ہندوؤں کا جتھا مسلح ہو کر لاریوں اور پیٹرول کی گاڑیوں کے ساتھ اپنے مرکز سے نکلا۔ اور جوش و خروش سے کٹرہ جیمل سنگھ میں پہنچا۔ دوکانوں کے قفل توڑے۔ مال و اسباب لوٹ لوٹ کر گاڑیوں میں ڈالا۔ اور فاتحانہ نعرے لگاتے ہوا واپس گیا۔

۷ مارچ کو مختلف مقامات پر حملے ہوتے رہے۔ مسلمان مدافعانہ جنگ کیا کرتے کیونکہ سکھ ہندو پہلے سے تیار تھے۔ اور پوری تیاری کے بعد میدان میں آتے تھے۔ لیکن مسلمان جب سر پر آپڑی۔ تو چوکنے ہوتے۔

چوک فرید

۱۱ بجے کے قریب ایک سو آدمی کا مسلح جتھا۔ ہر قسم کے سامان حرب و ضرب سے آراستہ چوک فرید کی طرف آیا۔ جب وہ کھاتی ڈیوڑھی کے چوک میں پہنچا۔ تو مسلمانوں کو خبر ہوئی۔ اور چند بہادروں نے للکار کر کہا۔ کہ "مسلمانو! بزدلی کی موت مت مرو۔ مرنا ہے۔ تو بہادروں کی طرح لڑکر مرو" چنانچہ چند منچلے نوجوان رستہ روک کر آگے کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے دو تین بندوقیں بھی کہیں سے حاصل کرلیں ایک پٹھان جو صرف پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ بندوق لے کر آگے بڑھا۔ اور اس نے نہایت بے جگری سے فائر کئے۔ پھر مسلمانوں نے بندوقوں تلواروں اور لاٹھیوں سے عام حملہ کردیا۔ اکالی بہادروں اور مہا سبھائی سورماؤں کی دوکانوں پر

کیا۔ وہ بہت سا سامان چھوڑ کر دم دبا کر بھاگے۔ جاتے جاتے کٹڑہ جیمل سنگھ کے مسلمانوں کی دو دکانوں کو آگ لگا گئے۔ وہ اگر چوک فرید سے گذر جاتے۔ تو ایم اے کالج پر حملہ کرنا۔ اور اس کو جلانا۔ ان کے پروگرام میں شامل تھا۔ مسلمانوں کے محلوں پر ان کی نظر تھی۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی ؎

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

عام معرکے

اس کے بعد مسلمان بھی جارحانہ کاروائی کے لئے آمادہ ہو گئے ان کی مختصر جماعت چوک فرید سے چلی۔ اور کٹڑہ کنہیاں میں چند مکانات جلا کر آگے بڑھی۔ گول ہٹی کو جہاں سے فساد شروع ہوا تھا۔ جلا دیا۔ اور کئی عمارتوں کو نذر آتش کیا۔

سکھوں کا ایک جتھا قیصر باغ سے ہوتا ہوا کٹڑہ مہاں سنگھ میں پہنچا مسلمان تیار تھے۔ انہوں نے بڑھ کر استقبال کیا۔ اور چند نوجوانوں نے ایک حملے میں ان سورماؤں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

کٹڑہ کرم سنگھ پر بھی یہ بہادر حملہ آور ہوئے مگر وہاں بھی منہ کی کھائی۔ اور ان کو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ مسلمانوں پر وار کرنا مذاق نہیں۔

مقبول فلوز ملز پر شہر سے اور دیہات سے آئے ہوئے سکھوں نے حملہ کیا تھوڑی سی جنگ کے بعد ان کو شکست ہوئی۔ اور فلوز ملز والوں نے بہت سے زندہ وحشیوں کو بائلر کا ایندھن بنایا۔

انہی ایام میں اسلام آباد، ہری پور، دایم گنج وغیرہ آبادیوں پر بھی حملہ ہونے کی خبریں مشہور ہوئیں۔ سب سے پہلے اسلام آباد پر حملہ کرنے کے لئے سکھ

بہادر خالصہ کالج میں جمع ہوئے۔ اور ہر قسم کے سامان جنگ سے لیس ہو کر نکلے۔ ان کا پروگرام یہ تھا۔ کہ اسلام آباد اور اس کے ساتھ والی آبادیوں کو برباد کرکے شہر میں داخل ہو کر جنوب مغربی حصہ شہر کے مسلمانوں اور اسلامی محلوں کی مزاج پرسی کی جائے۔ شہر میں بھی ان کے سفاکانہ ارادوں کی اطلاع ہوگئی۔ ادھر سے سکھ سورما آئے۔ اِدھر سے مسلمان بہادر آگے بڑھے۔ نعرہ تکبیر کے فلک شگاف نعرے سن سن کر ست سری اکال کی آواز صدا بصحرا ہوگئی۔ اور سکھوں کا یہ جتھا بغیر مقابلہ کے واپس ہوگیا۔

ایسے ہی واقعات وسط شہر میں رونما ہوئے۔ غرضیکہ مسلمانوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا شروع کر دیا۔ گلوالی دروازہ سے اندر۔ جوڑا پیپل کے پاس والی گلی جو ہندوؤں کی تھی۔ جلادی گئی۔ اور اسی طرح اور بہت سے علاقے نذر آتش کئے۔

اس بازار میں ہندو سکھوں کا ایک زبردست جتھا مسلمانوں کے مقابلے میں آیا۔ ان کا سالار ایک بڑا طاقتور بدمعاش ہندو تھا۔ کبھی "ست سری اکال" کا نعرہ بلند ہوتا تھا اور کبھی ہندو دھرم کی جے" کے جیکارے لگتے تھے۔ سالار "ہندو دھرم کی جے۔ ہندو دھرم کی جے" کہتا اور تلوار گھماتا آگے بڑھا اِدھر سے ایک مسلمان نوجوان مقابلہ میں نکلا۔ اور سالار پر ایسا وار کیا۔ کہ وہ کلیجہ پکڑ کر چت گر گیا اور ساتھ ہی مسلمانوں نے عام حملہ کر دیا۔ ہندو سکھ بہت سی لاشیں اور سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اسی طرح شہر کے مختلف حصوں پر سکھوں کے حملے ہوئے۔ مگر ہر جگہ شکست ہوئی مسلمان نوجوانوں نے خالد و طارق کے سچے پیرو ہونے کا زندہ ثبوت دیا سینکڑوں کے مقابلے میں دس دس بیس بیس مسلمان نکلے۔ اور سکھوں کو راہ فرار اختیار کرنے

کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

ان حوصلہ شکن شکستوں کے بعد سکھوں کی جارحانہ قوت نے جواب دے دیا ان کے حملے بند ہوگئے۔ اور گوریلا جنگ شروع ہوگئی۔ چنانچہ قلعہ بھنگیاں، کٹرہ سفید، تالاب ٹنڈہ، کٹرہ بھائی سنت سنگھ، ڈھاب کھٹیکاں وغیرہ میں اسی قسم کی جنگ ہونے لگی۔ جہاں کوئی بے خبر اِکّا دُکّا مسلمان گذرتا۔ اس کو قتل کردیا جاتا غریب عورت یا بچے کا گذر ہوتا۔ تو یہ سفاک ان کو شہید کردیتے۔ اب مسلمانوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ جہاں کوئی ہندو یا سکھ قابو آتا۔ اس کا خاتمہ کردیتے۔

مسلمانوں کا یہ طریق جنگ بھی کامیاب رہا۔ اگر انہیں ایک مسلمان کے قتل کی خبر آتی۔ تو وہ چار پانچ سکھوں کو مار کر دم لیتے۔ کئی روز یہی سلسلہ جاری رہا۔ اکثر سکھوں کی کرپانیں چھین کر ان کا کام تمام کیا گیا۔ اس سے سکھوں میں سخت خوف وہراس پھیل گیا۔

ہولناک نظارہ

کسی قدر امن ہونے پر میں ۱۱ مارچ کو شہر کا حال دیکھنے گیا۔ دروازہ رامباغ سے شہر میں داخل ہوا۔ کٹرہ شیر سنگھ میں بعض دوکانیں لوٹی گئی تھیں۔ ایک دو بالکل کھلی۔ مال واسباب کوئی نہ تھا۔ کچھ دالیں وغیرہ بازار میں بکھری ہوئی تھیں ہال بازار کے چوک میں پہنچا۔ تو چاروں کونوں کی بڑی بڑی عالی شان عمارتیں کھنڈر بنی ہوئی تھیں۔ چونے مٹی اور اینٹوں کے ڈھیروں سے بازار اٹا ہوا تھا ان میں گول ہٹی جو شرارت کا اڈہ تھا۔ اور جہاں سے فساد شروع ہوا تھا۔ اپنی تباہی پر زبان حال سے کہہ رہی تھی۔ کہ "میں نے اپنے کئے کی سزا پالی۔ اور میرے مالک جنہوں نے مجھ سے ناجائز کام لیا تھا۔ مجھے اس حال میں چھوڑ کر بھاگ گیا"۔ ہال دروازہ

تک خیریت تھی۔ فصیل کے اندر بائیں طرف مڑا۔ تو ڈاکٹر چونی لال چتر ہقہ کا مکان دیکھا۔ بڑا عالی شان تھا۔ مگر اب دیواروں اور بعض چھتوں کے سوا کچھ نہیں تھا اسی بازار کے دوسرے کونے پر سادھو سنگھ کا بڑا مکان بھی خاکستر ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے والے کونے کا مکان جلتے جلتے بچ گیا۔ بابو کنہیاں لال دکیل کا منڈہ جو کانگرس کے ابتدائی ایام سنہ ۱۸۹۰ء میں تعمیر ہوا تھا۔ اور سیاسی جدوجہد (سنہ ۱۹۰۱ء) میں "بندے ماترم ہال" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ جلا ہوا دیکھا۔ اس کی بھی صرف بیرونی دیواریں اپنی ہستی کا پتہ دے رہی تھیں۔

شیخ محمد عمر بیرسٹر مرحوم کا عالیشان مکان۔ جو مسجد شیخ خیرالدین کی مغربی جانب بازار میں تھا۔ اور اب ایک سکھ بیرسٹر کی ملکیت تھا۔ عجیب پر اسرار طریق پر نذر آتش ہوا۔ اس گھر طرف زبردست پہرہ تھا۔ مالک مکان کے آدمیوں اور پولیس کے سپاہیوں کا۔ معلوم ہوا ہے کہ آدھی رات کے بعد بند مکان میں دو مسلمان نوجوان مسجد کی طرف سے ایک کھڑکی کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ ایک محافظ جو ادپر کی چھت پر سویا ہوا تھا۔ اس کو قتل کر دیا۔ اب مکان میں کوئی دوسرا آدمی نہ تھا انہوں نے مختلف جگہوں پٹرول چھڑکا۔ اور نچلی منزل میں پہنچ کر بیرسٹر صاحب کی کتابیں اور کاغذ اکٹھے کر کے ایک ڈھیر لگا دیا۔ اور آگ دکھا کر جس راہ سے آئے تھے۔ نکل کر غائب ہو گئے۔ چند منٹ میں تمام مکان آتش کدہ بن گیا۔ دھوئیں کے بادلوں اور شعلوں کے ہجوم نے پہریداروں کو جگایا۔ پولیس کے سپاہی اِدھر اُدھر بھاگ کر ملزموں کی تلاش کرنے لگے۔ وہ کہاں! وہ تو جلتے جاتے یہ پیغام ان بہادروں کو دے گئے تھے ؎

برو ایں دام بر مرغے دگر نہ۔
کہ عنقا را بلند است آشیانہ۔

یہاں سے میں فرید کے چوک میں گیا۔ تھوڑی دور آگے گیا۔ تو راستے میں ملبے کے پہاڑ حائل تھے۔ میں بصد مشکل کمانی ڈیوڑھی کے چوک تک پہنچا۔ بازارِ پشم والا بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ اور ملبے کے ڈھیر اس کی ہستی کا اظہار کرتے تھے۔ اس بھیانک منظر اور شہر کی بربادی کے تصور سے میرا دل دھڑکنے لگا۔ اور آگے جانے کی ہمت نہ پڑی۔ فرید کے چوک میں واپس آیا۔ وہاں سے پہلے ہسپتال کے چوک سے ہال بازار میں پہنچا۔ اور ہال بازار کے چوک سے ایک دفعہ پھر گول ہٹی کو دیکھ کر واپس گھر آ گیا۔

دوکانیں اکثر لوٹی ہوئیں اور جلی ہوئیں۔ باقی سب بند۔ چلنے پھرنے والوں کی بھیڑ بھاڑ۔ بربادی کے منظر دیکھنے والے ہجوم کے گروہ۔ راستہ چلنا محال۔ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ سب کے چہرے اداس۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز۔ ہر ایک کی زبان پر "افسوس"۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی بجائے۔ انہی دردناک حوادث کا ذکر۔

کرفیو آرڈر ہر روز ایک خاص وقت کے لئے جاری ہوتا۔ ان ایام کو قتل و غارت گری کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ افواہیں اڑتی رہیں۔ کہ سکھوں کا جتھا آ رہا ہے۔ وہاں سکھوں کی تین لاریاں پکڑی گئیں۔ خالصہ کالج سے سینکڑوں مسلح سکھ آ رہے ہیں۔

۱۳ مارچ کو میں پھر شہر دیکھنے گیا۔ چوک بجلی والا سے کٹڑہ جیمل سنگھ کی طرف گیا مسجد نور پوریاں سے آگے کرموں ڈیوڑھی تک بڑے بڑے عالیشان مکان اپنی بربادی کا دردناک نقشہ پیش کر رہے تھے۔ اِدھر اُدھر آنا جانا دشوار تھا۔ کٹڑہ کنہیاں چوک سے کھڑے ہو کر دیکھا۔ اور فرید کے چوک کی طرف سے پھر واپس آیا۔

معلوم ہوا۔ کہ کل گورنر پنجاب، ڈی آئی جی، ڈپٹی کمشنر اور دیگر افسروں کے ساتھ شہر کی حالت دیکھ گئے ہیں۔

سردار افتخار حسین، سر فیروز خاں نون اور دیگر لیگ لیڈر بھی آئے انہوں

نے بھی اُجڑے ہوئے شہر کا نقشہ دیکھا۔ اور زخمیوں کا معائنہ کیا۔

۱۷ مارچ کو پنڈت جواہرلال نہرو آئے۔ ان کے ساتھ کانگرسی لیڈر اور سرکاری حکام بھی تھے۔

سردار عبدالرب نشتر ممبر صیغہ مواصلات حکومت ہند، بیگم شاہنواز اور دیگر لیگ لیڈروں نے بھی تباہ شدہ علاقوں دیکھا۔ چوک پراگ داس کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی حالت دیکھی۔ زخمیوں کا معائنہ کیا۔

کرفیو آرڈر باقاعدہ روزانہ مختلف اوقات میں ہونے لگا۔ اور شہر میں کاروبار شروع ہوگیا۔

ڈسٹربڈ ایریا ایکٹ

۱۹ مارچ کو فسادات کے سدِ باب کے لئے مندرجہ ذیل سرکاری اعلان جاری ہوا:۔

گورنر جنرل نے فساد زدہ علاقوں میں امن قایم کرنے کے لئے حکومت پنجاب کو ڈسٹربڈ ایریا ایکٹ کی منظوری دے دی۔ اس ایکٹ پر عملہ آمد شروع ہوگیا۔ تاکہ حکومت پنجاب نہایت موثر طریق سے فرقہ وارانہ فسادات پر قابو پاسکے۔

اس ایکٹ کے ذریعہ حکومت پنجاب کو یہ اختیارات حاصل ہوگئے۔ کہ وہ تمام پنجاب یا پنجاب کے کسی حصہ کو فساد زدہ علاقہ قرار دے سکے۔ جونہی پنجاب کے کسی حصہ کو فساد زدہ علاقہ قرار دے دیا گیا۔ تو اس کے بعد وہاں قتل، اغوا، ڈاکہ عورتوں کی بے حرمتی، اور ایسے دوسرے جرائم کی سزا موت ہوگی۔ ایسے جرائم کی کوشش یا ان جرائم میں کسی شخص کو مدد دینے والا بھی سزائے موت کا مستوجب ہوگا یہ ایکٹ مجسٹریٹوں۔ اور احکام پولیس داشسٹنٹ سب انسپکٹر اور اس درجہ

سے اوپر کے حکام) کو اختیار دیتا ہے۔ کہ وہ ہر اس شخص کو گولی کا نشانہ بنا دے۔ یا اتنی سزا۔ کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ جو فساد زدہ علاقہ میں امن وضبط کے منافی کاروائی کرے۔

پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص کا چلنا پھرنا۔ ایسی چیزیں اٹھا کر پھرنا۔ جنہیں بطور ہتھیار استعمال کیا جا سکے۔ ممنوع قرار دے دیا گیا۔

فساد زدہ علاقے

راولپنڈی ڈویژن کے تمام اضلاع۔ ضلع ملتان۔ لاہور، شہر لاہور چھاؤنی امرت سر، سیالکوٹ اور جالندھر میونسپل کمیٹیوں اور چھاؤنیوں، لدھیانہ اور ہوشیارپور کے میونسپل علاقوں کو فساد زدہ قرار دیا گیا۔

کمشنر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایسے دوسرے علاقوں کے بارے میں بھی مزید اعلانوں کی سفارش کریں گے۔ جہاں شدید فسادات شروع ہو جانے کے آثار پائے جائیں گے۔

گورنر جنرل کا آرڈی ننس

گورنر جنرل نے ایک آرڈی ننس جاری کیا۔ جس کے مطابق وارنٹ افسروں، ہز مجسٹی کی بحری اور ہوائی فوجوں کے نان کمیشنڈ افسروں کو یہ اختیارات دیئے گئے۔ کہ وہ مجسٹریٹوں اور پولیس افسروں کی طرح ایسے اشخاص کو گرفتار کریں۔ جو قابل تعزیر جرائم کا ارتکاب کریں۔ وہ مجرموں کی تلاشیاں لے سکیں گے۔ اور چوری کا مال برآمد کرا سکیں گے

۲۱ مارچ کا سرکاری بیان تھا۔ کہ امرت سر میں لوٹ مار اور آتش زدگی کے سلسلہ میں ۹۸۴ مقدمات رجسٹرڈ کئے گئے ہیں۔ اور اب تک ۱۵۱ اشخاص حراست میں لیا

حالت میں ایک قوم کی پُرامن آبادی میں اندرونی آمدورفت کی آزادی ہونی چاہئے تھی۔ یہ پابندیاں تو مخلوط آبادی میں لازم تھیں۔ جہاں لوگوں کے متصادم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا۔

خیر! انتظار کی گھڑیاں مشکل سے ختم ہوئیں۔ اور لوگ دو گھنٹہ کیلئے ضروریات زندگی حاصل کرنے اور آزادی کی سانس لینے کے لئے رہا ہوئے۔

۱۳ اپریل بیساکھی کا دن تھا۔ اور اس موقعہ پر ہزاروں سکھ باہر سے اشنان کرنے اور دربار صاحب کے درشنوں کے لئے آئے ہوئے تھے۔ کرپان ان کا مذہبی نشان تھا۔ جسے وہ ہر وقت پاس رکھ سکتے تھے۔ چاہے وہ تلوار اور شمشیر سے چند انچ بڑی ہو۔ پھر بھی وہ کرپان تھی۔ اور مقدس نشان۔ لیکن مسلمان کے لئے تلوار لے کر چلنا ممنوع۔ کیونکہ یہ ان کا مذہبی نشان نہیں۔ اگرچہ علامہ اقبال کے الفاظ میں ان کا دعویٰ ہے۔ کہ ؎

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشان ہمارا

انتقامی مظاہرے

مسلمانوں نے ہر جگہ شرافت کا ثبوت دیا۔ ہندوؤں سکھوں کی ہمسائیگی اور ان کے دیرینہ تعلقات کا خاص لحاظ رکھا۔ مگر انہوں نے اس کی ذرا پرواہ نہ کی بلکہ ان کی اس فراخدلی سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اور انہیں تختۂ مشق ستم بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

ماہ مئی میں جب انہوں نے آتش زنی کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اس کے جواب میں مسلمان زخمی شیر دل کی طرح میدان میں آئے۔ تو بعض مصلحت اندیش ادر کے لیس

مسلمان سدِ راہ ہوئے ۔ چنانچہ گوکل مارکیٹ کا صفایا ہونے والا تھا ۔ اور مسلمان وہاں پہنچ چکے تھے ۔ کہ ایک کانگرسی مسلمان اور ایک سکھ سدِ راہ بن گئے ۔ اگر مسلمان رحمدلی سے کام نہ لیتے ۔ تو ان دو اشخاص کی ہستی ہی کیا تھی ۔ لیکن غیروں پر رحم کرنے والے اپنوں پر کس طرح ہاتھ صاف کر سکتے تھے ۔ اور یہ واپس لوٹ گئے ۔

ایک دن قلعہ بھنگیاں میں اطلاع پہنچی ۔ کہ کٹڑہ دولو ۔ کوچہ سعی اور کوچہ آرائیاں پر ہندوؤں نے زبردست حملہ کیا ہے ۔ اور چند ایک مکان نذر آتش کر دیئے ہیں ۔ اس پر نوجوان مسلمان ضبط نہ کر سکے ۔ اور وہ کٹڑہ کرم سنگھ اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ پر ٹوٹ پڑے ۔ پولیس اور فوج کی زبردست نگہداشت کے باوجود سنتوولال گلی پر حملہ کر دیا ۔ اور جب پولیس اور فوج بچانے کے لئے آئی ۔ تو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منتشر ہو کر چوک نمک منڈی سے لے کر چڑنے کے چوک تک سارے علاقے کو آگ لگا دی ۔ اور سوا چھ سو مکانات مٹی کا ڈھیر ہو گئے ۔ ہندو سکھوں کو معلوم ہو گیا ۔ کہ جو کام انہوں نے آسان سمجھ کر کیا تھا ۔ نہایت دشوار ثابت ہوا ۔ وہ چاروں طرف جلتے ہوئے مکانات دیکھتے ۔ اور بعد افسوس دل میں محسوس کرتے تھے کہ ع

جو چال ہم چلے وہ بہت ہی بڑی چلے

گورنر جنرل کا ڈسٹربڈ ایریا ایکٹ بھی نافذ تھا ۔ اور پبلک سیفٹی ایکٹ بھی بروئے کار ۔ دفعہ ۱۴۴ بھی جاری تھی ۔ شہر بھر میں فوج اور پولیس بھی گشت لگا رہی تھی ۔ مختلف مقامات میں پولیس کی چوکیاں بھی تھیں ۔ مگر فساد کی آگ ایسی بھڑکی ۔ کہ روز بروز پھیلتی گئی ۔

تقسیم کا اعلان

۳ جون کو وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے تقسیم ہند کا اعلان کر دیا ۔

جس کے رُو سے ہندوستان اور پاکستان دو علیحدہ ملک قرار پائے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، مسٹر محمد علی جناح، اور سردار بلدیو سنگھ سہ اقوام کے لیڈروں نے اس فیصلہ کو تسلیم کیا۔ اور اس کی تائید میں ریڈیو کے ذریعے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں تقریریں نشر کیں۔

مہاتما گاندھی کئی دفعہ کہہ چکے تھے۔ کہ "پاکستان میری لاش پر بنے گا"
سردار پٹیل نے اعلان کیا تھا، کہ "ہندوستان اکھنڈ رہے گا۔ اسے کوئی ٹکڑے نہیں کر سکتا"
اچاریہ کرپلانی نے اپنی تقریر میں دعویٰ کیا تھا۔ کہ "میں پاکستان کا خواب کبھی پورا نہیں ہونے دونگا"

مہاتما گاندھی نے پاکستان کو تسلیم کیا۔
سردار پٹیل نے بھارت کے ٹکڑے ہوتے دیکھے، اور اُف تک نہ کی۔
اچاریہ کرپلانی نے پاکستان کے خواب کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ اور خاموش رہے۔

خون کی ندیاں بہانے والا تارا سنگھ بھی پاکستان کی تعمیر کو روک نہ سکا ـــــ اگرچہ اس نے خون کی ندیاں بہائیں۔ مگر مسلمانوں کے تعمیر میں سکھوں کے سیاہ خون کی لہریں بھی تڑپ رہی تھیں۔

اعلانِ تقسیم کے بعد فسادات کا زور بڑھتا گیا۔ مگر سکھوں کی کرپانیں اب نیاموں سے بہت کم باہر نکلتی تھیں۔ بھولے بھٹکے اِکا دُکا مسلمان کو قتل کر کے اپنے خبث باطن کا ثبوت دیتے تھے۔ جہاں کہیں ایک دو سکھ کسی بازار سے گذرتے۔ تو کرپان کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے۔ ان کے دل کا اضطراب اُن کے چہرے کے اڑے ہوئے رنگ سے ظاہر ہوتا تھا۔

کرپان کمر سے لٹک رہی ہے۔ مگر ہاتھ قبضے پر ہے۔ کہ کہیں قبضے سے نکل نہ جائے۔ تانگے پر بیٹھے ہیں، مگر منہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ کرپان نیام میں دبکی ہوئی تھی، کہ کہیں کسی مسلمان کے پاس نہ چلی جائے۔

اکثر آدمیوں کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ ایک سکھ سب انسپکٹر پولیس سے کسی دوسرے سب انسپکٹر پولیس نے، ایک پولیس گارد میں، جس کے علاقہ میں بہت سے سکھوں پر انہی کی کرپانوں اور بلموں سے وار ہو چکے تھے۔ پوچھا "کیا یہ سچ ہے۔ کہ مسلمان سکھوں کی کرپانیں چھین کر ان کو قتل کر دیتے ہیں؟" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ بولا "میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں"۔ اس نے کہا "بہت اچھا! ابھی دکھاتا ہوں"۔

گارد کے تھانیدار نے جو سکھ تھا، ایک سپاہی کو بھیج کر دو مسلمان نوجوانوں کو بلایا۔ اور کہا "تم کسی سکھ کی کرپان چھین کر دکھا سکتے ہو؟"

انہوں نے کہا۔ "بات تو معمولی ہے۔ لیکن آپ ہمیں گرفتار کر لیں گے"۔

سب انسپکٹر نے کہا۔ کہ "ہرگز نہیں، گرفتار تو ہم جب چاہیں کر سکتے ہیں مگر اس معاملہ میں تمہیں ہرگز کچھ نہیں کہیں گے"۔

ایک لڑکے نے کہا "بہت اچھا دو آنے دیجئے"۔

اس نے دو آنے لے کر پاس ہی سے ایک گنا خریدا۔ اور چوسنے لگا۔ اتنے میں ایک سکھ نوجوان سائیکل سوار آیا۔ لڑکے نے ایک کرپان والے ہاتھ پر زور سے گنا مارا۔ کرپان ہاتھ سے گر پڑی۔ لڑکے نے لپک کر کرپان اٹھا لی۔ جب سکھ کرپان لینے کے لئے آگے بڑھا۔ تو مسلمان لڑکے نے کرپان نکال لی۔ اور اس پر حملہ کرنے لگا۔ سکھ فوراً سائیکل پر سوار ہو کر بھاگ گیا۔ وہ سب انسپکٹر جو یہ منظر دیکھنا چاہتا تھا۔ دروازے کی آڑ میں بیٹھا تھا۔

باہر آیا۔ لڑکے کی بہادری کی تعریف کی۔ اور اُسے پانچ روپے انعام دیئے۔

ایک شخص چوک فرید کے دو نوجوانوں کو میرے پاس لایا۔ جنہوں نے باتوں باتوں میں بتایا۔ کہ یہ کئی سکھوں کو اپنی کرپانوں سے ٹھکانے لگا چکے ہیں۔

ان واقعات کی رپورٹیں افسران بالا کو بھی پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر نے مسلمانوں کے ایک وفد کی اس شکایات کے جواب میں۔ کہ

"سکھ تو کرپانیں۔ اور بھالے لے کر چل سکتے ہیں۔ مگر ہم سے چاقو اور سوئی بھی چھین لی جاتی ہے۔ ہم کو بھی تلوار لے کر چلنے کی اجازت دی جائے"

کہا تھا۔ کہ

"مسلمانوں کو تلوار کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ سکھوں کی کرپانوں سے ہی وہ سکھوں کا کام تمام کر سکتے ہیں"

مسلمانوں پر پابندیاں

ایک دن مجھے کرفیو آرڈر ہٹنے پر شہر میں دوا لینے کے لئے جانا پڑا۔ واپسی رام باغ گارڈ کے دو سپاہی دفتر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ میرے پاس ایک پتلی سی چھڑی تھی۔

ایک سپاہی نے مجھے کہا "چھڑی دے دو۔ اس کی ممانعت ہے"

میں نے کہا "یہ حکم تو میں نے کہیں پڑھا، نہ سنا"

دوسرے نے پوچھا۔ "آپ کہاں رہتے ہیں"

میں نے جواب دیا۔ "شریف پورہ میں۔"

اس نے کہا۔ "اچھا! جائیے۔"

گھر آکر یہ چند اشعار موزوں ہوگئے ؎

ہمارے درپئے ایذا زمانہ | ہوئی جاتی ہے حالت زار اپنی
ہمیں تو دھمکیاں ملتی ہیں ہر دم | مگر خاموش ہے سرکار اپنی

نہیں آتا لبوں پر حرف معنی | خموشی ترجمانی کر رہی ہے
وقور یاس میں اظہار مطلب | زباں بے زبانی کر رہی ہے

یہ ہے کیفیت انصاف و قانون | دبائے جا رہے ہیں ہر کہیں ہم
کوئی تلوار لے کر جا رہا ہے | چھری لے کر بھی چل سکتے نہیں ہم

محافظ امن کے مقہور و مغضوب | مبلغ کشت و خوں کے شاد و آزاد
کہاں جائیں، کسے جا کر سنائیں | نہیں سنتا ہماری کوئی فریاد

خوفناک سازش

مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی خوفناک سازش کی بنیاد تو سنہ ۱۹۲۳ء میں فسادات کوہاٹ کے بعد پنڈت مدن موہن مالویہ نے رکھ دی تھی جس کی مسلم کش عمارت وقتاً فوقتاً استوار ہوتی گئی۔ اور اس کی تکمیل کا کام مہا سبھائی ہندو بڑے زور شور سے کرتے رہے۔ مگر خفر زادہ

کی شکست اور ہندو سکھ وزرائی محرومی سے بیباکانہ مظاہرے ہونے لگے جس کے علمبردار ماسٹر تارا سنگھ بھیم سین سچر اور دوسرے ہندو سکھ لیڈر تھے۔ انہیں سوائے اس کے کوئی کام نہ تھا، کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے منصوبے سوچیں، اور تباہی کا سامان بہم پہنچائیں۔ گورنر جنکنز اور اُن کے ماتحت انگریز اور ہندو سکھ افسران مفسدہ پردازوں کی سرپرستی کرتے تھے۔

اگر کوئی منصف مزاج اور نیک طینت گورنر ہوتا۔ تو تارا سنگھ جیسے دریدہ دہن اور منہ زور کو کھلا نہ چھوڑ دیتا۔ اس کا اصلی مقام جیل کا اصطبل تھا۔

سکھوں کے پاس سامان اسلحہ اس قدر موجود تھا، جو ایک جنگ کے لئے کافی تھا۔ مگر درحقیقت یہ بھی ایک امن سوز اور وحشیانہ حملہ کی تیاری تھی۔ جو ان لوگوں کے خلاف ہونے والا تھا۔ جنہوں نے اُنکے ساتھ صدیوں سے برادرانہ میل جول رکھا۔ دوستانہ مراسم قائم کئے ہمیشہ رواداری سے کام لیا۔ اور خلوص و محبت سے ان کی ہمسائگی کا احترام کیا۔

اِن شوریدہ سر اور وحشی مزاج لوگوں نے ہر محلہ میں سٹین گنیں، برین گنیں، رائفلیں، بندوقیں، نیزے بھالے۔ تلواریں، کرپانیں، خنجر، بم اور بم سازی کا سامان۔ گولی بارود کے ذخائر، فوجی وردیاں، جیپ کاریں، پٹرول، تیزاب، باربرداری کے ٹرک، لاریاں اور دیگر ضروری سامان فراہم کیا ہوا تھا۔ سرمایہ دار لوگوں اور صاحب ثروت اشخاص نے اس سفیہانہ کام کو ہندو سکھ کی سیوا اور جاتی کی انتی کا ایک مقدس

فرض سمجھ رکھا تھا۔

ایک بہادرانی سکھ گورمکھ سنگھ امن سبھا کا سرپرست، ہندو سکھ مسلم اتحاد کا زبردست حامی تھا۔ اس نے مسلم کشی کو پنتھ کی خدمت اور گوروکی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ لیا۔ یہ خفیہ تاراسنگھ جس کا رویہ مسلمانوں کے حق میں ایٹم بم سے کم نہ تھا، شب و روز اسی کام میں معروف تھا، اور سکھوں کی ہر طرح مدد کرتا تھا۔

ہندوؤں کا مشہور قمار باز لیڈر بجلی پہلوان اور مارشل لا کا رہا شدہ عمر قیدی بگا راشٹریہ سیوک سنگ کی ترتیب و تنظیم اور امداد رسانی میں مصروف و منہمک رہتے تھے۔

مسلمانوں کی مدافعت

مسلمانوں کی مدافعت و حفاظت کے لئے سٹی مسلم لیگ نے مسلم لیگ ریلیف کمیٹی کے نام سے ایک مجلس قائم کی ... اس عالم رستاخیز اور ہنگامہ خیز وقت میں خاطر خواہ امداد کی۔

یہ کمیٹی شیخ صادق حسن، مولوی سراج الدین پال، چودھری ظہور الدین بار ایٹ لا اور دیگر مقتدر اصحاب پر مشتمل تھی۔ یہ تمام شہر کے ناخوشگوار واقعات کی دیکھ بھال کرتے، مسلمان اسیروں کی قانونی اور مالی امداد کرتے مقدمات کی پیروی کرتے۔ اور ان کے گھروں میں راشن پہنچاتے۔ حکام کو ضروری حالات اور واقعات کی اطلاع دیتے۔ اور سکھوں کے مظالم اور تباہ کاری کی طرف توجہ دلاتے۔ غرضیکہ ہر ممکن خدمت جو ہو سکتی تھی، کرنے سے پہلو تہی نہ کرتے تھے۔

مگر چند دن سکھوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدافعانہ کوشش بالکل بے حقیقت تھی۔ اور افسرانِ حکومت کی بے پروائی و جانبداری سخت افسوسناک ہے ؎

فلک بے مہر، دوراں دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو ہائے خودی خود خندہ می آید

جُوں جُوں سکھوں کا زور بڑھتا گیا مسلمانوں کو بھی اپنی مساعی کی رفتار تیز کرنی پڑی۔

مسلم لیگ ریلیف کمیٹی کے علاوہ جس کا مرکز اسلامیہ کالج تھا۔ دو اور امدادی مرکز بن گئے۔ ایک شریف پورہ اور دوسرا اہم مرکز مقبول تلوار ملز بیرون دروازہ بھگتاں والا۔

لیکن چونکہ فسادات کی وجہ سے مذکورہ بالا مراکز سے شہر کے دوسرے حصوں میں امداد کا پہنچنا دشوار تھا۔ اس لئے اسلام آباد، ہری پورہ، دائم گنج، دروازہ حکیماں کے باہر والی نو آبادیوں، دروازہ لونگمنڈی کٹڑہ مہاں سنگھ، کٹڑہ نگھیال والوں نے بھی دفاعی اور امدادی مرکز قائم کر رکھے تھے۔

شریف پورہ میں بیرون ... اور دیہات کے مخیر و نیکدل مسلمانوں نے بے شمار روپیہ اور بے حد غلہ بھیجا۔ صوبہ مسلم لیگ نے بھی کافی امداد دی۔ مگر اس سے اور تو اور شریف پورہ کے مستحقین بھی محروم رہے۔ اور وہ سب کچھ منتظمین، ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کے حلقہ سے باہر نہ جا سکا۔ مقامِ افسوس ہے، کہ ایسے عبرتناک وقت میں بھی جبکہ موت سر پر منڈلا رہی تھی۔ یہ ذمہ دار اشخاص خوفِ خدا سے بالکل بے پروا

ہو گئے۔ لیکن اُن کے یہ اعمال آخر اُن کے مواخذہ کا موجب ہوں گے گو ان کے دل میں یہ خیال ہوگا۔ ؎

عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گزرتی ہے

مگر اُن کو مولانا روم کا یہ شعر بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ ؎

تو مشو مغرور از حلمِ خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

ہزاروں خانہ بدوش اور بے سروسامان لوگ بھوکوں مر رہے تھے۔ مگر ان لوگوں نے ان کی بات نہ پوچھی۔

جو مقامات مرکزی طور پر امداد کے لئے مقرر کئے گئے۔ وہاں سے آمد و رفت کے راستے مسدود و مخدوش تھے۔ دوسرے مقامات پر امداد نہ پہنچ سکتی تھی۔ اس لئے علاقائی سرکردہ اور فیاض احباب نے اپنے حلقۂ اثر میں لوگوں کی امداد نہایت فیاضی اور فراخدلی سے کی۔

بہر حال مسلمان اپنی حفاظت اور غذا کے لئے خود کفیل تھے اور مرکزی مقامات کی امداد سے بے نیاز۔ اُن مقامات سے قرب و جوار کے لوگ اور متعلقین کے متعلقین ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

اسلحہ اور دیگر سامان حفاظت کے متعلق بھی بعض دشمنان قوم کی نسبت عام شکایت تھی، کہ انہوں نے حملہ آوروں کے ہاتھ فروخت کر کے اپنی تیرہ باطنی کا افسوسناک ثبوت دیا۔

دورِ دوم

۱۵ اگست

اِن آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر (غالب)

جُوں جُوں ۱۵ اگست کا محشر خیز دن قریب آرہا تھا، بدامنی بڑھ رہی تھی۔ لیکن مسلمانوں کو یہ خواب وخیال نہ تھا، کہ اس شہر سے جو اُن کی مساویانہ مساعی سے آباد ہُوا۔ اُن کی سربکف مساعی سے پھلا پھولا۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں کوچ کرنا پڑیگا۔ مسلمانوں کی آبادی امرتسر میں سب قوموں کے برابر تھی۔ گویا ہندو اور سکھ اُنکے مقابل اقلیت میں تھے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کے اعلان ۳ جون ۱۹۴۷ء میں امرتسر مشتبہ تھا۔ اور گورداسپور کا نام پاکستان میں تھا۔ اور امید تھی کہ جب گورداسپور پاکستان میں ہے۔ تو امرتسر ضرور پاکستان میں آئیگا۔ ان خیالات کے اثر سے مسلمان سکھوں اور ہندوؤں کا ڈٹ کر مقابلہ کررہے تھے۔ اور ہر جگہ غالب رہتے تھے۔ اگر کہیں ایک مسلمان قتل ہوجاتا۔ تو اس کا انتقامی جواب مسلمانوں کی طرف سے ترکی بترکی دیا جاتا۔ یعنی ایک مسلمان کے عوض دو چار ہندو سکھ ضرور موت کے گھاٹ اُتار دیے جاتے۔

۱۰ اگست کو اس وحشت ناک خبر نے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلا

دیا۔ کہ امرتسر میں مسلمان افسروں کی جگہ سکھ ہندو آ گئے ہیں، اور گورنمنٹ پنجاب نے مسلمان سپاہیوں سے ہتھیار طلب کر لئے ہیں۔ امرتسر کے مسلمانوں کو ہندو سکھ اور گورکھا فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

بس پھر کیا تھا، سکھوں کے مسلح جتھوں نے جابجا حملے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے حتی المقدور اپنی حفاظت کی۔ مگر حکومت کے عمال جو اس وقت سکھ اور ہندو تھے۔ وہ اس خیال سے بے نیاز تھے، کہ مسلمانوں کی حفاظت کا فرض بھی ان کے ذمے ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا تھا، کہ وہ کسی خاص حکم کے ماتحت اس سازش میں شریک ہیں۔ ایک طرف اُن کی ہندو سکھ پولیس اور فوج کے متعلق جو قیام امن کے لئے بلائی گئی تھی، حوصلہ افزا بے اعتنائی اور دوسری طرف سکھوں کے مسلح جتھے اور ریاستی فوجیں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی پر کمربستہ۔

مسلمان اکابر ذمہ دار افسروں سے ملتے۔ انہیں صورت حال سے آگاہ کرتے۔ لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ مسلمانوں کے مکان جلائے جا رہے تھے۔ جائیدادیں لوٹی جا رہی تھیں، پردہ نشین خواتین کی بے حرمتی ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا تھا۔ شہر اور دیہات کے مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم توڑے جا رہے تھے۔ اب ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا، کہ ہجرت کر کے پاکستان کا رُخ کریں۔ مگر راستے مخدوش۔ سکھوں کے مسلح جتھے جابجا گھوم رہے تھے۔ جرنیلی سڑک پر وہ پھر رہے تھے۔ ریلوے لائن پر وہ بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ کھیتوں میں وہ چھپے بیٹھے تھے۔ خیریت سے جانا بھی مشکل تھا۔ مگر وہ جان ہتھیلی پر رکھ جانا شروع ہو گئے۔

ہر چہ بادا باد، ما کشتی در آب انداختیم

شہر اور نواحی دیہات میں قیامت برپا تھی۔ چاروں طرف بمباری کی ہولناک آوازیں آرہی تھیں۔ دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے جن میں آگ کے شعلے بجلیوں کی طرح چمکتے تھے۔ مگر ان بادلوں میں آہوں کے دھوئیں کی طرح نمی نہ تھی۔ بادل پانی کے بخارات ہوتے ہیں۔ اور یہ آگ کے۔ اور اس آگ کے جو دردمندوں کی لاشوں سے اٹھتے ہوئے مکانات سے نکل رہا تھا۔

ہمیں آتش فروزی سے بلا یا مثل پروانہ
تیری ہستی بھی مثل شمع تنویر سحر تک ہے۔

سب سے محفوظ مقام شریف پورہ تھا۔ لوگ۔ بے سروسامان مصیبت زدہ جلتے ہوئے مکانوں میں سسکتی اور تڑپتی ہوئی لاشوں کو چھوڑ کر چلے آرہے تھے۔ شہر خالی ہو رہا تھا۔ نواحی گاؤں کے لوگوں کا رخ بھی اسی طرف تھا۔ کوئی شکستہ دل اور کوئی خستہ جگر، کسی کی آنکھیں خون رو رہی تھیں، اور کسی کے دل سے لہو بہہ رہا تھا۔

مسلمانوں نے باوجود اس بے سروسامانی کے ہر جگہ ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جہاں جہاں موقعہ ملا، سکھوں کی بہادری کے دھوئیں اڑا دیئے۔ لیکن وہ بے سروسامانی کی حالت میں ہوں۔ کرپانوں، نیزوں اور بندوقوں کا کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے۔

کیا کریں، صورت رہائی کی نہیں
اک زمانہ درپئے آزار ہے۔

۱۴ راگست کی شام زیادہ تاریک اور ہیبت ناک تھی۔ رات کالی بلا

کی طرح نازل ہوئی ۔ چاروں طرف اندھیرا چھا رہا ہے ۔ بندوقوں ، برین گنوں اور بموں کی دہشت خیز آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں ۔ ہر طرف خوف و ہراس کا عالم تھا ۔ دل سینوں میں دہل رہے تھے ۔ آنکھیں بتیا نہ ادھر اُدھر دیکھتی تھیں ۔ نگاہیں بیقراری کے عالم میں ادھر اُدھر پھر رہی تھیں ۔ اور کوئی دہشت ناک منظر دیکھ کر چشم خانوں میں آ رکتی تھیں ۔

تارے دنیا والوں کی یہ وحشیانہ روش دیکھ دیکھ کر تلملا رہے تھے ۔ آخری تاریخوں کا چاند یہ خوفناک نظارے دیکھکر کمزور و نا تواں ہو گیا تھا ۔ اور جُھک جُھک کر یہ خونیں منظر دیکھتا تھا ۔ مرغانِ سحر کی نوا ریزی بھی درد و غم کے اثرات میں ڈوبی ہوئی تھی ۔ گھروں میں رہنے والی چڑیاں خالی اور برباد گھروں سے سے نکل نکل کر جنگلوں میں جا رہی تھیں ۔ مہاجرین کے ساتھ ان کو بھی ہجرت کرنی پڑی ۔ ان کا دانہ پانی بھی اس برباد شدہ آبادی سے اُٹھ گیا ۔

یوم آزادی

۱۵ اگست کی قیامت خیز صبح نمودار ہوئی ۔ سورج کانپتا ہوا دامن مشرق سے نکلا ۔ کرنیں تڑپتی ہوئی آتیں ۔ اور پریشاں ہو کر فضا میں گم ہو جاتیں ۔ اُجالا پھیل رہا تھا ۔ اور اہلِ جفا کے سیاہ کارنامے اُجاگر ہو رہے تھے ۔ وہ مظالم جو رات کے پردے میں واقع ہوئے تھے ۔ دن کی روشنی میں اپنی بربریت کا اظہار کر رہے تھے ۔ پیرِ فلک سیہ پوش تھا ۔ کہ اُس نے مدت العمر ایسی خوفناک تباہی اور لرزہ خیز بربادی نہ دیکھی تھی ۔

وہ مظالم ہوئے ہم پر جو ہوئے تھے نہ کبھی
وہ ستم ڈھائے گئے جن کا نہ تھا وہم و گماں

دس بارہ روز جو زہرگداز واقعات رونما ہوئے ۔ ان کے بیان سے زبانِ قلم قاصر ہے اور اس کی کیفیت وہی محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے ایک زندہ ہستی کو یکدم زمین پر کراہتے دیکھا۔ ایک صحیح و سلامت آدمی کو چشم زدن میں خاک و خون میں تڑپتے پایا۔ عصمت مآب مستورات کی بے حرمتی کا نظارہ دیکھا۔ معصوم بچوں کو مردہ ماؤں کے آغوش میں مُردہ پایا ۔

دروازہ مہاں سنگھ کے باہر پھولا سنگھ اکالی کا برج ۔ خونخوار نہنگوں کا مرکز تھا۔ کوئی اُدھر سے گذرتا تو وہ دیوزاد وحشی اس پر ٹوٹ پڑتے ۔ اور اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ۔ وہ عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے ۔ مسلمان اس بے آبروئی کو برداشت نہ کر سکے ایک ایسے ہی واقعہ کی خبر سن کر چند نوجوان جان ہتھیلی پر رکھ کر وہاں جا پہنچے ۔ ان کے احاطہ کی دیوار پھاند کر ان پر ٹوٹ پڑے اور اس خاتون کو واپس لے کر لوٹے ۔ ان نہنگوں نے قرب و جوار میں کشت و خون کا بازار گرم کر رکھا تھا ۔ دروازہ مہاں سنگھ کے آگے نیزے تانے کھڑے تھے ۔ اور وحشت و دیوانگی کا مظاہرہ کر رہے تھے تین نوجوان مسلمان بازار مہاں سنگھ سے آئے ۔ اور چند منٹ میں ان کے چھکے چھڑا دیئے ۔

دردانگیز واقعات

شریف پورہ ریلوے لائن پر واقع ہے ۔ لائن سے اُدھر شریف پورہ سے ایک فرلانگ پرے اکالیوں کا ڈیرا تھا ۔ اور لائن سے پار اسی قدر فاصلہ پر حاکم سنگھ روڈ پر ہندوؤں اور سکھوں کی کوٹھیاں تھیں ۔ وہ تو اپنے زعم میں شریف پورہ پر فائر کر رہے تھے ۔ لیکن قدرت کی ستم ظریفی یہ تھی ۔ کہ ہندوؤں کی گولیاں شریف پورہ پر سے گذر کر اکالیوں کی خبر جا لیتی تھیں ۔ اور وہ سمجھتے تھے ۔ کہ شریف پورہ سے فائر ہو رہے ہیں ۔ اُدھر نہنگ بندوقیں چلاتے تھے تو ہندوؤں

یہ خیال تھا۔ کہ شریف پورہ کے لوگ ہم پر چاند ماری کر رہے ہیں۔

کوچہ رنگریزاں کا لرزہ خیز واقعہ

شہر کے شمالی علاقہ میں جہاں جہاں مسلمانوں کے محلے تھے۔ سکھ دیوانوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑتے۔ پہلے ان کے مکان لوٹتے، پھر مکانوں کو جلایا۔ بعد ازاں قتل عام شروع کر دیا۔ نہ معصوم بچوں پر ترس کھایا۔ نہ کمزور بوڑھوں پر رحم آیا جو سامنے آیا۔ موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بازار بکروالاں کوچہ رنگریزاں میں وہ قہر ڈھایا۔ کہ پناہ خدا۔ مکانوں کو لوٹا۔ زن و مرد اور بچوں کو جو ہاتھ آئے۔ نہایت بے دردی سے ذبح کیا۔ نوجوان لڑکیوں اور جوان عورتوں کے پستان کاٹے۔ ان کا ہار بنایا۔ گلے میں ڈال کر وحشی سکھوں نے ریچھ ناچ کیا۔ بہت سے لوگ محصور تھے۔ کئی تو دیواریں پھاند کر نکل گئے۔ جو بچے زندہ جلائے گئے۔ اس کوچہ اور گرد و نواح کے بہت سے لوگ ڈپٹی محمد شریف کی حویلی میں پناہ گزین ہو۔

جب معلوم ہوا، کہ سکھ ادھر آرہے ہیں۔ تو مسلمان حواس باختہ ہو کر وہاں سے نکلنا شروع ہوئے۔ اس دردناک موقعہ اور عبرت انگیز افراتفری میں بھی بعض سیاہ کار مسلمانوں کے دل متاثر نہیں ہوئے۔ انہوں نے بعض مستورات سے چھیڑ چھاڑ کی۔

مسلمان یہاں سے نکل کر جدھر منہ اٹھایا، چل کھڑے ہوئے۔ جہاں گئے موت سامنے تھی۔ بہت سے قتل ہوئے۔ جنہوں نے کچھ دن اور دنیا کی ہماہمی محفوظ رہے۔ کٹڑہ مہاں سنگھ اس روز محشرستان بنا ہوا تھا۔ جا بجا لاشیں زبانِ حال سے اپنی مظلومیت کا اظہار کر رہی تھیں۔

شریف پورہ کیمپ

جب شہر اور مضافات کے ڈیڑھ لاکھ مصیبت زدہ اور خانہ برباد مسلمان شریف پورہ میں جمع ہوگئے۔ تو اُن کی حفاظت کا انتظام ضروری تھا۔ اس لئے حساس اور ہمدرد قوم مسلمانوں کا ایک وفد ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں پہنچا۔ اور سب حالات بیان کرکے درخواست کی۔ کہ شریف پورہ کو ایک کیمپ قرار دیا جائے۔ اس معاملہ میں دیگر حکام اور غیر سرکاری سکھ ہندو معززین سے ملاقات کی۔ اور ان کو اپنے ہاں بلایا۔ ایک جلسہ منعقد ہُوا۔ جس میں شریف پورہ کے کارکنان رائے بہادر بدری ناتھ ایس پی پنجاب، سردار راجا کرشن سنگھ ڈی ایس پی، ڈاکٹر سنت رام کانگرس ورکر، سردار کرم سنگھ مان بیرسٹرایٹ لا اور دیگر معززین شریف پورہ شامل ہوئے۔

حکام کو صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا۔ تقریریں ہوئیں۔ حکام نے ہر ممکن امداد کا وعدہ کیا۔ اور شریف پورہ کو ایک کیمپ قرار دینے کا اعلان کیا۔ جس کے انتظام و انصرام کے لئے ایک منتظمہ کمیٹی مقرر کی گئی۔ جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھی:۔

۱۔ صوفی غلام محمد ترک	صدر
۲۔ مسٹر بشیر بختیار	سکرٹری
۳۔ مسٹر محمد سعید ایم اے	ممبر
۵۔ مولوی محمد عبداللہ منہاس	ممبر
۶۔ شیخ محمد عمر چھرا	ممبر
۷۔ ڈاکٹر عبدالمجید	ممبر

۸۔ حکیم مہر دین — ممبر

۹۔ ڈاکٹر جلال الدین — ممبر

۱۰۔ محمد علی رونق — ممبر

منتظمہ کمیٹی نے اس امر کا اقرار کیا، اور عوام کی طرف سے یقین دلایا۔ کہ وہ امرتسر میں حکومت ہند کی وفادار رعایا بن کر رہیں۔ اور ہندوستان کے سچے شہری ثابت ہوں گے۔ ضروری انتظامات کے لئے ایک سو رضا کار مقرر کئے گئے

مسجدِ غزنویہ کا زہرہ گداز منظر

شریف پورہ کے کیمپ قرار دیئے جانے پر حکام مجاز وہاں آنے جانے لگ گئے۔

۲۷ اگست کو میجر پورن سنگھ مجسٹریٹ دفعہ ۳۰ انچارج علاقہ آئے اور صوفی غلام محمد ترک نے سکھ وحشیوں کے انسانیت سوز مظالم کا ذکر کیا۔ تو وہ مع اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔

چنانچہ صوفی غلام محمد، میجر پورن سنگھ، دو فوجی سپاہیوں اور میجر صاحب کے عملے پر مشتمل ایک پارٹی شہر میں گئی۔ جا بجا لاشیں پڑی پائیں: راستہ خون سے رنگین دیکھا۔ مکان کھنڈرات بنے ہوئے اپنی تباہی کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ یہ دردناک منظر کچھ کم نہ تھا۔ کہ وہ مسجد غزنویہ میں پہنچے۔ جہاں گیارہ نوجوان لڑکیوں کی دردانگیز لاشیں اپنی مظلومیت کا صوت حال سے اظہار کر رہی تھیں۔

وہ سب بے جان تھیں، اُن کے زخموں سے خون جاری تھا۔ پیٹ چاک تھے، جسمانی مخصوص سے لے کر چھاتی تک۔ آزار بند کھلے تھے جس سے ظاہر تھا۔

کہ خانۂ خدا میں اُن کی عصمت دری کرکے ان کو قتل کیا گیا ہے۔

یہ دردناک منظر دیکھ کر تمام پارٹی سکتے کے سے عالم میں ہو گئی۔ ایسے وحشیانہ افعال کا ارتکاب ایک عبادت گاہ میں، ایک درویش منش اور صلح کل گورو کے پیروؤں کی طرف سے نہایت شرمناک اقدام تھا۔

مسجد غزنویہ ایک مشہور مسجد تھی، جہاں بدت دراز سے خدا کی عبادت ہو رہی تھی۔ پانچ وقت اذان کی صدا بلند ہوتی۔ اور تمام علاقہ کے مسلمان ادائے نماز کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ ہر صبح قرآن شریف کا درس ہوتا تھا۔ اور حدیث و فقہ کے مسائل حل کئے جاتے تھے۔ کلام مجید کی تلاوت کی جاتی تھی۔ طالب علم تمام دن مذہبی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ گویا شب و روز وعظ و کلام، رشد و ہدایت اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ میجر صاحب پر عورتوں کی بے آبروئی اور مسجد کی بے حرمتی کا خاص اثر ہُوا۔

یہاں سے ایک دوسری طرف گئے۔ کیا دیکھتے ہیں، کہ ایک مکان کے پرنالے سے خون بہہ رہا ہے۔ میجر صاحب اور صوفی صاحب اوپر گئے۔ وہاں ایک زچہ کی خون آلودہ لاش پڑی تھی۔ اور اس کے پاس ایک قتل کیا ہُوا نومولود بچہ پڑا تھا۔ جو زبان بے زبانی سے کہہ رہا تھا۔

دیکھے مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔
میری سُنے جو گوش نصیحت نیوش ہے

بدحواسی

دروازہ لوہگڑھ کی چار عورتیں شریف پورہ میں آئیں۔ ان میں دو ماں اور بیٹی تھیں۔ بیٹی حواس باختہ اور اسکی چھاتی کھلی تھی۔ ماں نے

مخاطب کر کے پوچھا، کہ "چھوٹی لڑکی کہاں ہے؟" اس نے بدحواس ہوکر کہا۔ کہ وہ تو وہیں رہ گئی"۔

بھنگیوں کے لباس میں

کٹڑہ شیر سنگھ کہنہ میں جب سکھوں کی بے پناہ یورش ہوئی، بہت سے تو وہاں سے جان بچا کر نکل گئے۔ مگر ایک دو خاندانوں کو وہاں سے فرار ہونے کا موقعہ نہ ملا۔ وہ بھنگیوں کے گھر میں پناہ گزین ہوئے، جو ان کے ہمسائے تھے۔ تمام مال واسباب اُن کے سپرد کیا۔ اپنے کپڑے اُتارے ان کا لباس پہنا۔ اور وہاں سے ایک ایک دو دو کر کے نکل کر شریف پورہ میں آگئے۔ مردوں نے غلاظت والی گاڑیاں ہانکیں۔ اور عورتوں نے جھاڑو پسلی اور چھابا لے کر جان بچائی۔
اپنے رشتہ داروں کے ہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی داستان درد سنائی۔ وہ سُن کر بہت متاسف ہوئے۔

ظلمِ ناروا

بابو حسن شاہ شیخ غلام صادق کے کارخانہ قالین کے ہیڈ کلرک تھے۔ بڑے شریف اور نیک۔ کٹڑہ ہاکم سنگھ کوچہ جُلاہیاں میں رہتے تھے۔ اپنے گھر میں معہ اپنی بیوی کے نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔
دو آدمی اور اسی کوچہ میں خاک و خون میں آلودہ پڑے ہوئے اپنی مظلومیت اور حملہ آور وحشیوں کی درندگی کا اظہار کر رہے تھے۔
توبہ بھائی سالو میں چوہے خرابیے کی گلی بھی مقتل کا ہولناک نقشہ پیش

کر رہی تھی۔ وہاں ایک عورت جس کا نام رحمت تھا، نہایت بے رحمی اور بے دردی سے قتل کی گئی۔ اسکا پیٹ مچھلی کی طرح اندام نہانی سے لے کر چھاتی تک چاک کیا گیا تھا۔

تین معززین کی داستان

کٹرہ مہاں سنگھ کے تین معزز اشخاص کسی طرح بچ کر کوتوالی پہنچ گئے۔ اور سکھ انسپکٹر سے استدعا کی، کہ انہیں ریلوے سٹیشن تک پہنچا دیا جائے۔ مگر ایک دو کانسٹیبل سرگوشیاں کرنے لگے، کہ موٹا مال ہے۔ یہ غریب بھانپ گئے کہ ہمارے قتل کی باتیں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے انسپکٹر کی بہت منت و خوشامد کی۔ اس نے شرف انسانی سے کام لے کر تینوں کو ٹرک پر سوار کر کے ریلوے سٹیشن میں پہنچا دیا۔

جب سٹیشن پر پہنچے، تو ایک مسلمان فوجی افسر نے کہا۔ کہ تم فوراً یہاں لیٹ جاؤ۔ ایسا معلوم ہو، کہ تم مُردہ ہو۔ ورنہ یہاں سکھوں کے جتھے منڈلا رہے ہیں۔ تم کو ابھی مار دیں گے۔

چنانچہ وہ تینوں ایک طرف علیحدہ علیحدہ مُردوں کی طرح لیٹ گئے۔ سکھ مُردہ سمجھ کر پاس سے گذر گئے۔ اور ان کی جان بچ گئی۔

دشمن کی دوستی

کٹرہ پرجہ میں مسلمانوں کے دو تین سو گھر تھے۔ لیکن چاروں طرف آگے پیچھے دائیں بائیں۔ ہندوؤں کے مکان اور کوچے تھے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا سلوک اچھا تھا۔ مگر تعصب کی آگ یہاں بھی بھڑکی۔ اور

بُری طرح بگڑی۔ سکھوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ وہ عورتیں جنہوں نے گھر سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ اور سواری کے بغیر کہیں جاتی نہ تھیں۔ دیواریں پھاند کر اور دھوئیں کی نالی میں جو مکان کو چہ موری گنج کے عقب میں تھے اندر سے شگاف کر کے باہر گئیں۔ اور بڑی مشکل سے سٹیشن پر پہنچیں۔

میرے ایک دوست نے جب کہ سکھ ان کے مکانوں کو لوٹ رہے تھے اور نذر آتش کر رہے تھے۔ ایک بوری میں چھپ کر جان بچائی۔

ایک حاجی مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا تھا۔ سکھوں نے اسے اسی طرح بیٹھے جنت میں پہنچایا۔

ایک ہر دلعزیز شاعر جو محلے میں ہندو مسلم اتحاد کا پرچار کیا کرتے اور ہر ایسے موقعہ پر رہنمایانہ طریق اختیار کرتے تھے۔ اور عموماً ہندوؤں کی خوشنودی مزاج زیادہ ملحوظ خاطر رہتی تھی۔ نہایت بے کسی کی حالت میں شہید کئے گئے۔ اور ان کی لاش کی بے حرمتی کی گئی۔

اسی محلے کے ایک بزرگ مجھے لاہور میں ملے۔ میں نے ان سے حال پوچھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ حال بیان کرتے وقت ان کی آواز بھرا گئی۔ ایک دو منٹ کے بعد ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔ کہ

"میں جب ہمارے محلے پر حملہ ہوا۔ وہاں سے نکل کر ایک دوسرے محلے میں جا پہنچا۔ اور رات چھپ کر گذارہ کیا۔ پھر تھانہ رامباغ کے پاس سٹیشن پر پہنچا۔ مجھے اپنے اہل و عیال کی کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہیں اور ان کا کیا حشر ہوا۔ میں نے دو دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ دیکھا۔ پلیٹ فارم کے ایک طرف (جسے کٹڈ نگ کہتے ہیں۔ اور جہاں انتظار کرنے والی گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں) ایک عورت روٹیاں پکا رہی تھی۔ میں نے اسے کہا "مائی! مجھے ایک روٹی دو۔" اس نے کہا "میرا ہمارے پاس بھی

ناہموار ہیں۔ میں تمہیں کیسے دوں؟" میں نے پھر کہا۔ ایک ٹکڑا ہی دے دو۔ اس نے میرے حال پر رحم کھایا۔ اور ایک روٹی عنایت کی؛ ریل پر سوار ہو کر لاہور پہنچا۔ ریلوے کیمپ میں رات کاٹی۔ اور صبح تلاش کر کے اپنے عزیزوں سے جا ملا۔"
یہ بزرگ ایک خاندان کے سرپرست تھے۔ تین چار بیٹے۔ بہت بڑی جائیداد کے مالک۔ کرائے کی معقول آمدن۔ ان کے بیٹے بڑے دوکاندار، نمازی پرہیزگار مگر قدرت نے انہیں بھی نہ چھوڑا۔ اور ان خوفناک حالات سے گذرنا پڑا۔ جو اس وقت اُمتِ مسلمہ کے درپیش تھے۔

برابر کا جواب

کٹڑہ کرم سنگھ میں بھی وحشی سکھوں نے اپنی بہیمیت کے کرشمے دکھائے جب عادت ان کے مکانوں کو آگ لگائی۔ ان پر زبردست حملے کئے۔ مگر انہوں نے بھی اینٹ کا جواب پتھر دیا۔ مسلمان فوجی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے بھی ہندوؤں کو مکان جلاتے دیکھ کر مسلمانوں کی مدد کی۔ اور لکڑ منڈی کی تمام دوکانیں جو عمارتی چوب سے بھرپور تھیں، جلا ڈالیں۔ آگ برابر دو تین دن بھڑکتی رہی۔ اور اس آگ کے اڑتے ہوئے شرارے دور دور تک دکھائی دیتے تھے۔ اسی طرح اس نواح میں کئی روز تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔

ایک بوڑھا شکار

دروازہ حکیماں کے اندر ایک کوچے میں مسلمان رہتے تھے۔ سکھوں کی آمد کی خبر سن کر سب چلے گئے مگر ایک بوڑھا ڈٹ گیا، کہیں گھر سے

نہیں نکلوں گا۔ کیا وہ ایک بوڑھے پر بھی ترس نہ کھائیں گے۔ اس کے وارثوں نے ہزار سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانا۔ اور کہنے لگا۔ میں اس گھر سے مر کر نکلوں گا۔

اتنے میں سکھ آ گئے۔ بوڑھے نے کہا۔ "مجھے مار کر کیا لو گے۔ جانے دو۔ میں تمہاری خدمت کروں گا۔"

ایک سکھ بولا۔ "بابا! تو جی کر کیا کرے گا؟ آج نہیں، تو کل مر جائیگا"

بوڑھا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ "مرنا تو ہے۔ مگر تم میری جان بخش دو۔"

دوسرا سکھ بولا۔ "بوڑھا سانپ ہے، بوڑھا سانپ۔"

تیسرے نے کرپان مار کر غریب کا کام تمام کر دیا۔

بندوق کا جواب

کٹڑہ سفید میں جب ہنگامہ برپا ہوا۔ تو مسلمان وہاں سے جانے لگے۔ مگر ہندوؤں نے ان پر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ مسلمانوں کے پاس مدافعت کے لئے کچھ نہ تھا۔ جو تھوڑا بہت تھا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔ وہاں آرائیوں کے ایک دو گھر تھے۔ ان کے پاس مٹی کے غلیل تھے۔ وہ گولیوں کے جواب میں غلیل چلانے لگ گئے۔ اس غلولہ اندازی نے بندوق سے بڑھ کر کام دیا۔ ہندوؤں نے چھپ کر پناہ لی۔ اور موقعہ کو غنیمت سمجھ کر مسلمان وہاں سے نکل گئے۔

ایک دوست کی شہادت

ڈھاب کھٹیکاں کٹڑہ سنت سنگھ میں مشہور عالم مولوی ثناء اللہ صاحب

کا مکان تھا۔ اس کوچہ میں ہندو مسلمانوں کی مخلوط آبادی تھی۔ مولوی صاحب اور ان کے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ کے اچھے مراسم تھے۔ تمام ہندو ان کا احترام کرتے تھے۔ مگر دَورِ افتراق میں سب کے دل مسموم ہو چکے تھے۔ مولوی عطاء اللہ کسی کام کے لئے گلی سے باہر نکلے۔ ان کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ کہ ان پر بھی وار کیا جائے گا۔ مگر حالات بگڑے ہوئے تھے۔ دلوں میں محبت و الفت کی بجائے بغض و کدورت کا زہر بھرا ہوا تھا۔ نہ لحاظ آڑے آیا، نہ پاسِ ہمسائگی ساز گار ہوا۔ ان سے گولی آئی۔ اور ان کا کام تمام کر گئی۔

زبردست معرکہ

دروازہ لوہگڑھ کے اندر ہندو بھی آباد تھے، سکھ اور مسلمان بھی۔ کوچہ آرائیاں میں سب مسلمان اور زیادہ تر آرائیں تھے۔ دونوں ہندوؤں اور مسلمانوں نے خوب تیاریاں کی ہوئی تھیں۔ دونوں کے پاس سامانِ حرب و ضرب کافی مقدار میں جمع تھا۔ لیکن فوجی سپاہیوں کو مسلمانوں کے اسلحہ خانے کا پتہ لگ گیا۔ اور انہیں راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ کئی لوگ رات کی تاریکی میں بدررَو کے راستے وہاں سے نکلے۔ اور بہت سے اس ہنگامہ میں جاں بحق ہوئے۔

محلہ آرائیاں کے باہمت مسلمانوں نے دشمنوں کے حملوں کا کئی روز دنداں شکن جواب دیتے، اور ہر معرکے میں کامیاب ہوتے رہے۔ مگر فوج اور پولیس کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ اور اپنے مکان، جائیداد اور مال و اسباب چھوڑ کر کوچ کرنا پڑا۔

ایک لڑکی کی جاں نثاری

شہر کے جنوبی علاقے میں جب فساد نے زور پکڑا۔ تو ایک مولوی صاحب اپنی نوجوان بیٹی کو دروازہ نوبگڑھ میں ایک دوست کے پاس لائے۔ اور کہا۔ کہ "ہمارا جو حشر ہو گا۔ وہ ظاہر ہے۔ مگر اس لڑکی کو آپ کی حفاظت میں چھوڑتا ہوں، تاکہ اس کی جان اور عصمت محفوظ رہے۔"

دوست نے کہا۔ "یہ آگ تو سارے شہر میں پھیل رہی ہے۔ مگر میں جب تک زندہ ہوں، اس پر آنچ نہ آنے دوں گا۔"

مولوی صاحب لڑکی کو سپرد کر کے چلے گئے۔ دوسرے ہی دن نوبگڑھ کے علاقہ میں بھی جنگ شروع ہو گئی۔ جب آگ بھڑکتے بھڑکتے مولوی صاحب کے دوست تک پہنچ گئی۔ تو اس نے لڑکی کو کسی اور جگہ چھوڑ آنے کا فیصلہ کیا۔ اور لڑکی سے کہا۔ "بیٹی! آؤ، تمہیں کہیں اور چھوڑ آؤں۔ یہاں بھی دشمن آنے والے ہیں۔"

جب وہ گھر سے باہر نکلے، لڑکی نے بازار میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی نعشیں پڑی ہوئی دیکھیں۔ وہ اپنے میزبان سے کہنے لگی۔ کہ "میں نہیں چاہتی، کہ میری بھی اسی طرح بے حرمتی ہو۔ آپ مجھے واپس گھر لے چلیں۔ جو ہو گا دیکھا جائیگا۔"

چنانچہ جب واپس آئی۔ تو اس نے اندر سے کنڈی لگا لی۔ دشمن آئے اور مکان کو آگ لگا دی۔ اور وہ اس میں جل کر راکھ ہو گئی۔ اس لڑکی نے جان دے کر ثابت کر دیا۔ کہ

جل بجھیئے اس طرح سے کہ ظاہر دھواں نہ ہو

تسبیح کا چکّر

کٹڑہ دبال سنگھ کوچہ دیگراں کی ایک مسجد کے مولوی صاحب وہاں کے لوگوں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے رہے۔ کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اور نہ اسلحہ کی فراہمی کی ضرورت ہے۔ میری تسبیح کا ایک ہی چکّر حملہ آوروں کا خاتمہ کردے گا جب سکھوں کا مسلح جتھا اس کوچہ میں آیا۔ اور انہوں نے مکانوں کو لوٹنا۔ جلانا۔ لوگوں کا قتل عام شروع کردیا۔ تو اک شورِ محشر برپا ہوگیا۔ لوگوں نے مقابلہ بھی کیا۔ لیکن سکھ مسلح غارت گری سے لیس تھے۔ انہوں نے فائر شروع کر دیئے۔ بم پھینکے۔ گھروں کے دروازے توڑ توڑ کر اندر چلے گئے۔ اور معصوم عورتوں اور بچوں کا خون بہانے لگے۔ پٹرول چھڑکتے۔ اور مکانوں کو آگ لگا دیتے۔ بہت سے اشخاص جنہیں موقعہ مل گیا۔ پچھلی طرف کود پھاند کر چلے گئے۔ اپنی جانیں بچائیں۔

مولوی صاحب اس ہنگامے کے وقت مسجد کے ایک گوشے میں تسبیح کا چکّر چلا رہے تھے۔ دانے پر دانہ پھینکتے تھے۔ اور "جل تو جلال تو آئی بلا ٹال تو" کا ورد کر رہے تھے۔ لیکن آئی ہوئی بلا نہ ٹلی۔ وہ قضا نے مبرم ہی ہوئی تھی۔ سکھ مسجد میں داخل ہو گئے۔ اور مولوی صاحب کو کرپان کے ایک ہی وار میں ختم کردیا۔

دربار صاحب کی حُرمت

دربار صاحب سکھوں کا سب سے بڑا مقدس مقام۔ ایک مشہور عبادت گاہ جہاں صبح و شام سکھ ہندو پوجا کو آتے تھے۔ رات دن گرو گرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا تھا۔ موثر اور نصیحت آموز شبد پڑھے جاتے تھے۔ ہر وقت بھجن کیرتن سے فضا موسیقیت سے معمور رہتی تھی۔ یاتریوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اور گیان

دھیان سے اپنے جسم اور روح کو پاک کرتے تھے۔ مرد، عورتیں اور بچے جابجا بیٹھے اکال پورکھ کے بھجن گاتے۔ ایشور کی پوجا کرتے تھے۔ مگر ان دنوں یہ انسانوں کی فوز و فلاح کے عوض جنگی سٹاف کا مرکز بنا ہُوا تھا، اور جہاں سے مختلف محاذوں پر جتھے بھیجے جاتے تھے۔ ٹیلیفون کے ذریعے بات چیت ہوتی تھی۔ اور حکم احکام جاری کئے جاتے تھے۔

باہر سے سکھ شب و روز یاترا کے بہانے آرہے تھے۔ اور انہیں پاس کے بنگلوں میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ لنگر جاری تھے، اسلحہ تقسیم ہوتا تھا۔ جنگی تربیت دی جاتی تھی۔ اور حسب ضرورت انہیں مسلمانوں کے قتلِ عام کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ حکام یہ سب کچھ جانتے اور دیکھتے ہُوئے بھی نہ کسی قسم کی بازپرس کرتے اور نہ روکتے تھے۔ بلکہ اپنے مجرمانہ اغماض سے اُن کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

ایسی وحشت و بربریت کی مثال دنیا میں کم ملے گی۔ اور تاریخ کے اوراق ایسا کوئی واقعہ مشکل سے پیش کرسکیں گے، کہ ایک مقدس مقام انسانی کشت خون کے منصوبوں، مکرو ریا اور انسانیت کی توہین کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔

جنگ جُو اور امن سوز سکھوں کو اس وحشیانہ عمل سے نہ گوروؤں کے کسی بڑے جانشین نے روکا۔ نہ سیاسی لیڈروں نے بُرا منایا۔ گورو گرنتھ صاحب کے وہ شبد بھی ان کو نظر نہ آئے۔ جن میں انسانی ہمدردی، انسانی یگانگت اور بے تعصبی کی تعلیم و تلقین تھی۔ گورو نانک صاحب اور گورو رام داس جی کی روحیں کیا کہتی ہونگی۔ اور اپنے پیرووں کے اِس شور و فساد پر لعنت و نفرین کرتی ہوں گی۔ ہاں گورو گوبند سنگھ اور بندہ بیراگی جاموں

ں میں نہ سما تے ہوں گے کہ ان کے نا تمام کام کو یہ لوگ پوری
سرگرمی سے انجام دے رہے ہیں۔ افسوس سکھوں نے ایک مذہبی
مقام کو شور وفساد کا اڈہ بنا کر مآل اندیشی سے کام نہ لیا۔ ع
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

تعلیم گاہ یا ذبح خانہ؟

خالصہ کالج سکھوں کی مشہور اور سب سے بڑی تعلیم گاہ کو سامان
جنگ کا ذخیرہ اور مسلمانوں کی قتل گاہ بنایا گیا۔ بے شمار سکھ وہاں
موجود رہتے۔ اِدھر اُدھر پھرتے رہتے، قرب وجوار کی مسلم آبادیوں
پر حملے کرتے۔ راستہ چلتے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے اور کالج میں لے جا کر
ان کو جام شہادت پلا کر اپنے تعصب کی پیاس بجھاتے۔ پاکستان جانے کا
راستہ یہی تھا۔ پیدل جانے والے قافلے ان کی زد سے محفوظ نہ تھے۔
بہت سے سکھ کھیتوں میں چھپے رہتے۔ اور جب کوئی مسلمان گذرتا۔ گھات
سے نکل کر اپنی وحشت وخونخواری کا مظاہرہ کرتے۔
غرضیکہ ان وحشیوں سے ریلوے کی سواری محفوظ تھی۔ نہ ٹرکوں لاری
لاریوں میں جانا خطرے سے خالی تھا۔ اور نہ پیدل سفر اطمینان سے ہو
سکتا تھا۔

جو مسافر سٹیشن کو جاتے۔ اوّل تو انہیں راستے ہی میں عدم آباد کا رستہ
دکھایا جاتا۔ اگر بڑی مہربانی کی جاتی، تو ان کی تلاشی لی جاتی، ان کا زیور
روپیہ اور مال واسباب چھین کر چھوڑ دیا جاتا۔ ایسے دردناک واقعات کے
اظہار سے زبان قلم بھی قاصر ہے۔

عیدِ محرّم

رمضان شریف کا مہینہ بڑے اضطراب و پریشانی سے گذرا۔ ۱۸ اگست عید کا دن تھا۔ جتنی خوشی اس روز مسلمانوں کو ہُوا کرتی تھی، اتنا ہی غم ہُوا۔ عید گیا تھی محرم سے بڑھ کر تھی۔ آزادی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مال و اسباب، زر و زیور سے تہیدست تھے۔ نہ کپڑے تھے، نہ کھانے کے لئے روٹی۔ جہاں بھی مسلمان تھے، رنج و حسرت کا مجسمہ، کسی کا باپ مر چکا تھا، کسی کا بھائی۔ کسی کی ماں گذر گئی تھی، کسی کی بہن، کسی کا خاندان ہی ختم ہو گیا تھا۔ ایسی عید کب کسی نے دیکھی تھی۔ دل مجروح، آنکھیں خونبار۔ لبوں پر نالہ و فریاد۔ بیکسی ہمدرد، اور مصائب شامل حال۔ آہ! ؎

دل کی کسک نے آنکھ سے آنسو بہا دیئے
بھولا ہُوا تھا، یاد اک افسانہ آ گیا۔

اس ماتمی عید کے دن شریف پورہ ڈیڑھ لاکھ تھا نہ بد و شول اور مصیبت زدوں کا ہجوم تھا۔ شہر کے ہزاروں لوگ وہاں تھے۔ اور دیہات سے آئے ہُوئے آفت رسیدوں کی وہ جائے پناہ تھا۔ گروہ کے گروہ چلے آ رہے تھے۔ بازار، گلیاں اور مکان ان مہاجرین سے آباد ہو گئے۔ مقامی باشندوں نے خود خطرے میں مبتلا ہونے کے باوجود انصار کا فرض ادا کیا۔ مکانوں کے دروازے کھول دیئے۔ اپنے پکے ہُوئے کھانے اُن کی نذر کر دیئے۔ راشن وغیرہ کا انتظام کر دیا۔ جو آیا، اسے خندہ پیشانی سے کہا۔ ؎

بے حجابانہ در آ از در کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

یہ عید واقعی عید محرم تھی۔ سب کے چہرے افسردہ، آنکھیں نمناک، لبوں پر آہیں۔ کرفیو آرڈر اور حملہ آوروں کے خوف سے باہر جانا مشکل۔ نماز پڑھیں تو کہاں پڑھیں۔ پڑھیں تو کیا پڑھیں۔ خوف و ہراس مسلط۔ ذہن و حواس معطل۔ وقت پر جامع مسجد میں نماز ہوئی۔ خدا سے دعائیں مانگیں۔ صبر و استقامت کی التجائیں کی گئیں۔

اسی دن ریڈ کلف کا حد بندی کا اعلان ہونے والا تھا۔ ہندو سکھ تھانیداروں کا تعین۔ ہندو سکھ اور گورکھا فوج کا تقرر۔ مسلمان سپاہیوں سے اسلحہ کی واپسی۔ شہر اور دیہات سے مسلمانوں کی بے دخلی۔ یہ ایسے نمایاں واقعات تھے جس سے صاف ظاہر تھا، کہ امرتسر ہندوستان کے حصے میں آئیگا۔ مگر بعض خوش خیال لوگ یہی کہتے تھے، کہ نہیں! امرتسر پاکستان کو ملے گا۔

ریڈ کلف کا نامنصفانہ اعلان

شام کے قریب ریڈیو نے ریڈ کلف کا نامنصفانہ اعلان سنایا۔ کہ امرتسر ہندوستان کا شہر ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ گورداسپور بھی جو وائسرائے کے اعلان تقسیم (۳ جون ۱۹۴۷ء) میں پاکستان میں تھا، وہ بھی ہندوستان کو دیا گیا۔ اس اعلان نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور مسلمانوں کے لئے سوا اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ وہ بیک بینی و دوگوش امرتسر سے نکل جائیں۔

تقریباً ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ میں شہر خالی ہوگیا۔ اور وہاں وحشی سکھوں، سیاہ باطن ہندوؤں اور جلے ہوئے مکانوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

ڈیڑھ لاکھ مردوں، عورتوں اور بچوں کی زندگی تلخ ہو رہی تھی۔ موت سروں پر منڈلاتی نظر آتی تھی "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کا معاملہ تھا۔ ہر لمحہ دشمنوں کے حملہ کا اندیشہ۔ سب کو یہ خیال تھا۔ کہ اب ان کا رُخ شریف پورہ کی طرف ہوگا۔ کیونکہ اب وہاں کے سوا کوئی شکارگاہ باقی نہیں رہی تھی۔ کبھی یہ سنا جاتا تھا۔ کہ خالصہ کالج کی طرف سے ایک بڑا جتھا آرہا ہے۔ کبھی یہ افواہ اُڑتی، کہ پھولا سنگھ اکالی کے گوردوارے میں نہنگوں کا اجتماع ہو رہا ہے کبھی یہ خبر آتی، کہ بجلی پہلوان کے ہاں سے راشٹریہ سیوا سنگھ کا جہا بیر دل چل پڑا ہے۔ کبھی یہ معلوم ہوتا، کہ پردمن سنگھ کی کوٹھی بہت سے جنگ جو سکھ آرہے ہیں۔ ان باتوں سے شریف پورہ میں بے چینی پھیل جاتی۔ اور رضا کار مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے۔

شب خون

رات کی تاریکی میں اکالی جتھے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے نواحی گاؤں کی طرف چلے جاتے۔ اور بے خبر سوئے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کر دیتے۔ پہلے روشنی کا بم پھینکتے۔ پھر دوسرے بم برساتے۔ جب بہت سے مسلمان شہید ہو جاتے، اور اُن میں افراتفری پھیل جاتی۔ تو سکھ سورما تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ پڑتے۔ اپنی مقدس کرپانوں کو اُن کے خون سے تر کرتے۔ نیزوں اور بھالوں سے ان کے سینے چھیدتے۔ اور مکانوں کو آگ لگا کر دوسرے گاؤں کو روانہ ہو جاتے۔ یہ مظالم انہوں نے مقبول پورہ، مصطفےٰ آباد، اور دوسرے بہت سے دیہات میں کئے۔

بے گور و کفن !

لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیر
آئے تھے دنیا میں اس دن کیلئے

آخری ایّام میں نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی ۔ کہ کئی کمزور ، بیمار ، بوڑھے ان صدمات کو برداشت نہ کرسکے ۔ جو روزانہ دردناک حوادث کی خبریں سن کر واقع ہو رہے تھے ، کئی ذکی الحس عورتوں اور نازک طبع مردوں کی حرکتِ قلب بند ہو گئی ۔ وہ موت کے آغوش میں موت کی نیند سو گئے ۔ لیکن مصیبت وہاں کے رضا کاروں اور کارکن کمیٹی کو تھی ، کہ ان کو کفن دفن کا انتظام کرنا بھی دشوار ہو گیا تھا ۔ تمام کاروبار بند تھے ۔ شہر برباد ہو چکا تھا ۔ نہ کپڑا ملتا تھا ، نہ دفن کے لئے زمین تھی ۔ قبرستان کے راستے مسدود تھے ۔ ہمارے مہربان اور دیرینہ ہمسایوں کو مُردوں سے بھی کد تھی ، وہ موت کو بھول چکے تھے ۔ بندوقیں اور رائفلیں بغل میں دبائے پھرتے تھے ، وہ نہیں جانتے تھے ، کہ وحشیانہ مظالم کی سزا قدرت انہیں دیگی ، اور ضرور دے گی ۔ جو کچھ بو رہے ہیں انہیں کاٹنا پڑے گا ۔ جب کھیتی پک جائیگی ، اپنا پھل ضرور دے گی ۔ ۵

ٹرینوں پر حملے

جب مہاجرین کی آمدورفت ٹرینوں کے ذریعے شروع ہوئی ۔ اور ہندوستان سے اکثر آنے والی گاڑیوں کے گارڈ اور ڈرائیور وغیرہ سکھ اور ہندو تھے ۔ وہ بھی اس خونی تحریک میں شریک تھے ۔ جب کوئی مسلمانوں کی بھری ہوئی گاڑی

مشرقی پنجاب سے گذرتی، تو فوراً کسی گھنے جنگل یا ویران مقام میں ٹھہر جاتی سکھ حملہ آور حشرات الارض کی طرح پیدا ہو جاتے۔ پہلے بندوقوں کے فائر کرتے پھر تلواریں سونت کر اندر گھس جاتے، اور قتل عام شروع کر دیتے۔ یہ وحشیانہ عمل جب ختم ہو جاتا، تو گاڑی آگے چلتی۔

ایسے خونچکاں حوادث دہلی امرت سر لائن اور دہلی بھٹنڈا لائن پر واقع ہوئے اس طرح ہزاروں مسلمان جو پاکستان آ رہے تھے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

عام طور پر مہاجرین پر دوسری ٹرینوں میں حملے کئے گئے۔ جن سے بے شمار مسلمان شہید ہوئے۔

مہاجرین کی روانگی

ان حالات نے مسلمانوں کا پیمانہ صبر و شکیب لبریز ہو گیا۔ اور وہ امرت سر سے ہجرت کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ حکومت پاکستان اور مسلم لیگ کی طرف سے مہاجرین کو امرتسر سے جانے کے لئے لاریوں اور ٹرکوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی۔ کہ یہ سامان کافی نہ تھا۔ سو پاکستان جانے والے مہاجرین پہلے چھاؤنی پہنچائے جاتے۔ وہاں ان کو ایک ایک دو دو دن ایسے کھلے میدان میں ٹھہرایا جاتا۔ جہاں دھوپ سے بچنے اور بارش سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی بندوبست نہ تھا۔ نہ کھانے کا انتظام نہ پانی کا معقول اہتمام۔ کئی کئی دن پڑے رہنے کے بعد بہزار خرابی ان کی باری آتی۔

یہ سلسلہ ۱۰ اگست سے جاری تھا: ۱۵ اگست کے بعد زیادہ تیز ہوتا گیا۔ ۲۰ اگست سے حکومت پاکستان کی طرف سے ریل کا انتظام ہو گیا۔ خالی ٹرین ایک ایک جو دقعہ شریف پورہ کے پاس آ کر کھڑی ہو جاتی۔ اور ہر روز ہزاروں اشخاص سوار ہو کر روانہ ہو جاتے۔

دورِ سوئم

وداعی کوائف

مڑ کر سوارِ توسنِ عمرِ رواں نہ دیکھ
منزل پہ رکھ نگاہ ، ہیں پاؤں رکاب میں (فرخ)

افشائے راز

۱۸ اگست کو معلوم ہوا ۔ کہ ۲۰ اگست کی رات کو شریف پورہ پر جو مسلمانوں کا آخری محفوظ مقام ہے ۔ اور جہاں شہر و مضافات کے ڈیڑھ لاکھ انسان سمٹ کر آ گئے ہیں ، زبردست حملہ ہونے والا ہے ۔ یہ ان کا قطعی اور اٹل فیصلہ ہے ۔ کہ ان میں سے ایک متنفس زندہ نہ بچے ۔ شریف پورہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے ۔ اور اس کا نشان تک باقی نہ رہے ۔

یہ خبر صوفی غلام محمد کو ان کے غیر مسلم دوست نے دی ۔

صوفی صاحب نے گوردوارہ کمیٹی کے سکرٹری کو دربار صاحب میں ٹیلیفون کیا ۔ بات چیت سکھوں کے لب و لہجہ میں کی ۔

صوفی "ست سری اکال !"

سکرٹری "آپ کہاں سے بول رہے ہیں ؟"

صوفی "پھولا سنگھ کے گوردوارہ کے سامنے ساوتری بل سے ۔"

سکرٹری "اچھا ! ہنس راج بل والا بھی تو آدھا سُلا (مسلمان) ہے ۔"

صوفی: "سردار جی! وہ بھاگ گیا ہے۔ اور بل اس وقت خالصہ جی کے قبضے
میں ہے۔ ہم ہی اس وقت اس میں براج رہے ہیں۔"
سکرٹری: "تو آپ کون ہیں؟ اور کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟"
صوفی: "مجھے جتھے دار جی نے یہ دریافت کرنے کا حکم دیا ہے۔ کہ شریف پورہ
پر حملہ کس وقت کیا جائیگا؟"
سکرٹری: "ایک منٹ ٹھہرو۔ میں خالصہ جی سے مشورہ کرکے بتاتا ہوں۔
(دو منٹ کے بعد) تمہارے پاس کوئی دوسرا آدمی تو موجود نہیں؟"
صوفی: "نہیں۔ کوئی نہیں۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ ایک راز کی اہم بات چیت
ہو رہی ہو۔ کون ہو سکتا ہے۔"
سکرٹری: "سنو! شام کے ۹ بجے۔ رامباغ گارڈ کا تھانیدار خیالی رام بیس پچیس
گھوڑ سوار خالصہ کو لے کر ہاکی گراونڈ میں پہنچے گا۔ باقی خالصہ گئو شالہ میں
منتظر ہوں گے۔ ان کے ساتھ گاڑیاں، پیٹرول، گولی بارود۔ اسلحہ
بم اور دوسرا سامان ہوگا۔"
صوفی: "اچھا ——— !"
سکرٹری: "خیالی رام پہلے ایک سرخ سرچ لائٹ کا گولہ پھینکے گا۔ اگر اس کے
پانچ منٹ بعد تک خاموشی رہی، اور کوئی مخالفانہ آواز نہ ہوئی، اور
شریف پورہ کی طرف سے پٹھان اور بلوچ ملٹری کے سپاہی مقابلے میں نہ آئے
تو حملہ شروع ہو جائے گا۔ آپ ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔"
صوفی: "بہت اچھا۔ ہم تیار ہیں۔"
سکرٹری: "اگر حالات، موافق نہ ہوئے۔ تو پھر سبز روشنی کی جائیگی ——— اور
پانچ منٹ بعد سفید ——— تم فوراً واپس آجاؤ۔"

صوفی۔ بہت اچھا۔ ست سری اکال۔

یہ راز معلوم کرنے کے بعد صوفی صاحب نے فوراً کیمپ کمیٹی کے سکرٹری مسٹر بشیر بختیار کو اطلاع دی۔ جنہوں نے ایک سو رضا کاروں کے ساتھ حفاظتی مدافعت کا انتظام شروع کردیا۔ اور بلوچی سپاہیوں کو بھی جو حفاظت کے لئے متعین تھے، بتادیا گیا۔ انہوں نے اپنے افسر کو اطلاع دے دی۔

تمام شریف پورہ میں خاموشی کے ساتھ اعلان کیا گیا۔ کہ آج رات خطرہ ہے۔ سب جاگتے رہیں۔ جو کچھ کسی کے پاس ہے، لے کر مقابلے کے لئے تیار رہے۔ مورچہ بندی کی گئی۔ پہرے دار متعین کئے گئے۔ دُوربینوں کے ذریعے پاتھی گراونڈ اور دوسرے خطرناک مقامات کے حالات دیکھتے رہے۔

وقت مقررہ پر سُرخ روشنی پاتھی گراونڈ میں ہُوئی۔ اور ہم نے حسب قرارداد نوبت بجادی۔ سب مورچوں سے گولہ باری اور بم پھینکنے شروع کردیئے انہوں پانچ منٹ کے بعد سبز روشنی کردی۔ اِدھر سے "اللہ اکبر" اور "اسلام زندہ باد" کے نعرے لگائے گئے۔ بس پھر کیا تھا، خالصہ جی کا سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اور وہ پانچ منٹ سے پہلے ہی سفید روشنی کر کے ایسے بھاگے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اس نازک موقعہ پر شریف پورہ کے نوجوانوں، رضا کاروں، بلوچ سپاہیوں اور دوسرے شیر دل باشندوں نے نہایت بہادری اور بامردی کا ثبوت دیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کلمہ گویوں کی جان بچادی۔ یہ ایک ایسا اہم کارنامہ ہے۔ جو صفحات تاریخ پر نمایاں حروف سے لکھا جائیگا۔

سب سے زیادہ تعریف اور شکریہ کا مستحق وہ فرشتہ سیرت سکھ ہے۔ جس نے اپنی وحشی قوم کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملانے اور اس کے حیوانی

راز کو طشت از بام کرنے میں اپنے پاک ضمیر کی پیروی کی۔ ورنہ کثیر التعداد بندگانِ خدا کی ہستی کا خاتمہ ہو جاتا۔ ؎

رفاہِ عام پر مرنا یہ ہے زندہ جواں مردی
وگرنہ اپنی اپنی تو ہر اک کرتا ہے ہمدردی

اِنسانیت کی ایک اور مثال

جبکہ شہر میں دار و گیر کا بازار گرم تھا۔ اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ لوگ جان بچا بچا کر بھاگے جا رہے تھے۔ ایک ہندو سیالکوٹی ورکر نے جس نے امرتسر کے مشہور کمپرلش ریفارمر کے ماتحت تربیت پائی تھی۔ اپنی بے تعصبی اور انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا۔

اس نے شریف پورہ کیمپ کمیٹی کے صدر کو اطلاع دی، کہ پچاس مسلمان عورتیں اور بچے میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں نے ان کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کر رکھا ہے۔ لیکن وہ بہت پریشان ہیں، ان کو منگوا لیجئے۔

چنانچہ ایک مقررہ وقت پر انہیں بلوا لیا گیا۔ جس کے لئے ہم اس شریف اور نیک دل انسان کے بے حد ممنون ہیں۔ جو سیالکوٹ ورکر کہلاتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی ہمدردئ عامہ کی نیک مثال سے ثابت کر دیا۔ کہ واقعی وہ ایک صلح کل، نیک طینت، اور ہمدردئ عامہ کا زندہ پیکر ہے۔ خداوند کریم اس کو جزائے خیر دے۔ اس نے اپنے عمل سے حضرت امیر مینائی کے اس شعر کی تصدیق کر دی۔ کہ ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ!
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

بھارت کے وزیراعظم کی بے بسی

سکھوں کے وحشیانہ منصوبے کی ناکامی کے بعد معلوم ہوا۔ کہ ۲۳ اگست کو حملہ ہوگا۔ اور خالصہ جی اپنی خفت مٹا کر پنتھ کے سامنے سرخرو ہوں گے۔
لیکن دوسرے ہی دن معلوم ہوا۔ کہ بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو بنفس نفیس تشریف لا رہے ہیں۔ سکھوں کا ۲۳ تاریخ کا عزم بھی باطل ہو گیا۔
چنانچہ ۲۵ر اگست کو پنڈت جواہرلال نہرو اپنے عملے سمیت امرتسر آگئے۔ اور شام کو مس سارا بائی سکرٹری وزیراعظم ایک انگریز کپتان اور چند دیگر افسروں کی معیت میں تشریف لائیں۔ اور شریف پورہ کیمپ کمیٹی کو وزیراعظم سے ملاقات کا پیغام دیا۔
چنانچہ ان کے ساتھ صوفی غلام محمدؐ کی قیادت میں مندرجہ ذیل اصحاب کا ایک وفد رات کے ۹ بجے ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی میں پنڈت جی سے ملا۔
حکیم مہر دین۔ مسٹر سعید ایم اے۔ مسٹر بشیر بختیار۔ ڈاکٹر جلال الدین۔
صوفی صاحب نے سکھوں کے انسانیت سوز حالات، قتلِ عام، آتش زنی، عصمت دری، غارت گری کے تمام لرزہ خیز واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ جنہیں سن کر پنڈت جی نہایت متاثر ہوئے۔
چند لمحہ خاموش رہے۔ اور فرمایا:۔
راولپنڈی میں کیا ہوا۔
صوفی۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ بہار کا جواب تھا۔ اس طرح تو ایک سلسلۂ نا متناہی شروع ہو جائیگا۔ مگر میرا تو مطلب یہ ہے۔ کہ وہ ذمہ دار حکام کا کام تھا۔ اور یہاں بھی انہی کا کام تھا، کہ اس کشت و خون، اور

غارت گری کو روکتے۔ لیکن یہاں تو مفسدہ پرداز عنصر کی امداد اور
حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔

پنڈت۔ اچھا!

صوفی۔ مسلمان صرف اسلامی نام کی وجہ سے ہلاک کئے گئے۔ خواہ وہ
کانگرسی تھے یا احراری۔ یہاں امن پسند شہریوں، بوڑھوں، بچوں،
اور عورتوں کو بڑی بے رحمی اور بے حرمتی سے ہلاک کیا گیا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر
کچلو جیسے قوم پرست اور کانگرسی لیڈر کو بھی نہ چھوڑا گیا۔ ان کی کوٹھی
حملہ کیا گیا۔

پنڈت۔ ہاں! یہ بہت بُرا ہُوا۔

صوفی۔ کیا کانگرس نے آزادی کی تحریک اسی واسطے شروع کی تھی، کیا
آزادی کے معنی یہی ہیں، جو اس کشت و خون، اور غارت گری سے
ظاہر ہوئے۔ افسوس! سب کچھ دیکھ کر ان وحشیانہ حملوں کا انسداد
نہ ہو سکا۔ اگر آزادی کے معنی یہی ہیں، کہ اہم اقلیتوں کو فنا کر کے
حکومت کا آغاز کیا جائے۔ یا شورہ پشت عنصر کا حوصلہ بڑھایا جائے۔
یہ آزادی ہے یا بربادی؟

سارا بائی۔ آپ جانتے ہیں، کہ آپ کا مخاطب کون ہے؟

صوفی۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔

سارا بائی۔ بھارت کے وزیر اعظم

صوفی۔ کانگرسی اور قوم پرست ہونے کے لحاظ سے مجھے حق ہے، کہ اُن سے
آزادانہ بات چیت کروں۔

پنڈت (سارا بائی سے) نہیں۔ آپ جو کہتے ہیں، کہنے دیجئے۔

سوفی۔ میں آپکو مفصل بتا چکا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ معصوم اور بے گناہ خواتین کو کیا ذلیل اور بے آبرو کر کے موت کے گھاٹ اتار اگیا۔ جس کا ایک نمونہ میجر پورن سنگھ بچشم خود دیکھ چکے ہیں۔ باوجود اس کے ہم ہندوستان میں بحیثیت وفادار رعایا کے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم مقامی حکام کو یقین دلا چکے ہیں۔ ہندوستان کا جھنڈا مکانات اور شاہراہوں پر لہرایا گیا ہے۔ عوام کو تلقین کی گئی ہے۔ شریف پورہ کے مقیم اور دوسرے مسلمان یہاں رہنا چاہتے ہیں۔ آپ ہماری حفاظت کا یقین دلائیں۔

پنڈت (چند منٹ تامل کے بعد) یہ میرے بس کی بات نہیں۔ بحالات موجودہ معذور ہوں۔

صوفی۔ تو آپ ہماری حفاظت نہیں کر سکتے۔

پنڈت۔ معذور ہوں۔

صوفی۔ تو ہم یہاں نہ رہیں۔

پنڈت۔ میں نہیں کہہ سکتا۔

صوفی۔ تو ہم یہاں سے چلے جائیں۔

پنڈت۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔

یہ ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔ اور خوب دل کھول کر باتیں ہوئیں۔ پنڈت جی نے نو صفحات پر اس کے نوٹ لئے۔ اور یہ وفد مایوسانہ جواب لے کر واپس آیا۔

ایک صبح کل، قوم پرست اور آزاد خیال وزیر اعظم کی یہ معذوری قابل افسوس ہے۔

ہجرت کا عام اعلان

ہندوستان کے سب سے بڑے با اختیار حکمران، پورن سوراج حاصل کرنے والے مجاہد، آزادی و مساوات کے زبردست علمبردار کے مایوسانہ جواب کے بعد کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ اس شہر میں جہاں مدت دراز سے رہتے چلے آئے تھے، ایک پل بھی رہنے کی کوشش کی جائے۔
چنانچہ ۱۶؍ اگست کو ہجرت کا عام اعلان کیا گیا۔ وہ لوگ جو آئے دن نئے نئے مظالم کی خبریں سنتے تھے۔ سکھ حملے کے رات دن خواب دیکھتے تھے، جن کو خواب و خورش حرام ہو رہی تھی "در بلا بودن بہ از بیم بلا" کا ورد کرتے ہوئے ہجرت کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ جانتے تھے، کہ راستے میں موت منڈلا رہی ہے۔ اور سوائے پاکستان کے کوئی ہماری منزل مقصود نہیں۔ لیکن معلوم نہیں، وہاں کہاں ٹھہریں گے۔ کون ہمارا پرسان حال ہو گا۔ وہ آخر نئی جگہ ہو گی۔ کون ہمیں برداشت کرے گا کس کی ہمدردی بروئے کار آئے گی۔

یہ خیالات بے فائدہ تھے۔ یہ اندیشے بے سود تھے۔ ہمیں امرتسر سے جانا اور ضرور جانا تھا۔ اور پاکستان کی سرزمین میں بود و ماند کرنا تھا جس کے لئے بے شمار قربانیاں کیں۔ سب یہ کہتے ہوئے چل پڑے۔ ؎

درین دریائے بے پایاں درین طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسا ہا۔

پہلے ریلوے سٹیشن سے مہاجرین کے سپیشل ٹرینوں کا انتظام تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنا موت کے چنگل سے بچ کر جانا تھا۔ شریف پورہ کیمپ کمیٹی کی کوشش

سے ایک ہفتہ روزانہ سپیشل ٹرین شریف پورہ سے چلتی رہی۔ کیونکہ اب بھی اہل امرتسر اور باشندگان دیہات کا مرکز تھا۔

۲۸ر اگست کو سارا شریف پورہ خالی ہو گیا۔ اور ہم نے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ وہاں کون آیا، اور کس نے ڈیرا جمایا۔ ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا
اسکی بلا سے۔ بُوم بسے یا ہما رہے

فغانِ رحیل

رخصت اے ہندوستاں! باچشم تر جاتے ہیں ہم
تفتہ دل جاتے ہیں ہم، خستہ جگر جاتے ہیں ہم
مال و زر، ملک و مکاں۔ جو کچھ بھی ہے تیرے سپرد
نقدِ جاں لے کر تیری حد سے گذر جاتے ہیں ہم
یہ نیا اظہارِ الفت، یہ نئی طرزِ وداع
تیغ ہے بندوق ہے، بم ہے جدھر جاتے ہیں ہم
کر رہے ہیں کوچ ہر ساعت ہمارے قافلے
رات دن چلتے ہیں ہم، شام و سحر جاتے ہیں ہم
کل ہماری تازگی سے باغ تھا پُر بہار،
آج لُٹ کر مثلِ نخلِ بے ثمر جاتے ہیں ہم
جو محل آباد تھے، سب ہات کھنڈر بن گئے۔
دیکھتے جلتے ہوئے دیوار و در جاتے ہیں ہم
جانتے ہیں یہ۔ معین وقت ہے اِک موت کا

چلتی تلواروں میں بھی ہو کر نڈر جاتے ہیں ہم
پُرخطر رستہ ، سفر دشوار ، دشمن گھات میں ۔
دمبدم بچتے ہوئے باہمدگر جاتے ہیں ہم
قابل اڑنے کے نہیں صیّاد نے رہنے دیا
آہ ! ہو کر طائر بے بال و پر جاتے ہیں ہم
جل رہا نارِ الم سے تن ہے مثلِ آفتاب
داغِ غم دل پر لئے مثلِ قمر جاتے ہیں ہم
جابجا چھایا ہوا ہے اپنی آہوں کا دھواں ۔
سو بسو اڑتے ہوئے مثلِ شرر جاتے ہیں ہم
تیز رَو ، گم کردہ رہ ، غائب ہے منزل کا نشاں
جانتے یہ بھی نہیں بالکل ، کدھر جاتے ہیں ہم
زخم بھالوں کے بدن پر ۔ خون زخموں سے رواں
گولیاں کھاتے ہوئے سینہ سپر جاتے ہیں ہم
امن و سکن کہیں آخر ملے گا یا نہیں ،
دل میں اے فرخ لئے عزمِ سفر جاتے ہیں ہم

پاکستان میں

۱۰ ر اگست سے مہاجرین کا تانتا بندھ گیا تھا ۔ ہر روز ہزاروں خانہ بدوش پاکستان کو اپنا گھر سمجھ کر آنا شروع ہو گئے ۔ حکومت نئی نئی ۔ اکثر عمال ناتجربہ کار ، روپیہ حکومت ہند کے قبضہ میں ۔ دفتری کاروبار کے لئے ضروری کاغذات بھی ندارد ۔ اس نازک حالت میں پچاس ساٹھ لاکھ

مہاجرین کے قیام اور خواب و خورش کا انتظام ایک بہت مشکل کام تھا۔ تاہم ان کا عزم و استقلال قابلِ تحسین تھا۔ کہ انہوں نے ایسی بے سروسامانی اور افراتفری کی حالت میں ان کا استقبال کیا۔ ان کے لئے کیمپ قائم کئے۔ لاہور کے علاوہ ہزاروں مہاجرین کو دوسرے شہروں اور دیہات میں بھیجنے کا انتظام کیا۔ اور ان کی ہر ممکن امداد کی۔

کیمپوں کے بعض منتظمین کے متعلق شکایات بھی ہوئیں اور ناراضی کا اظہار بھی ہوا۔ کہ انہوں نے ادائے فرض میں نہایت بداخلاقی، بدچلنی اور بددیانتی سے کام لیا۔ عصمت مآب مہاجر عورتوں اور لڑکیوں کی بے حرمتی کی۔ کیمپ کے مہاجرین کے لئے جو روٹیاں آتیں، ان میں سے معتدبہ حصہ کی روٹیاں کیمپ سے باہر فروخت کرتے۔ اور ایک ایک روٹی چار چار آنے میں بیچتے رہے۔ مصیبت زدہ خانہ بدوش اور فاقہ کش لوگوں کو پوری روٹی نہ دینا، اور پناہ گزین خواتین کی آبروریزی کرنا، زخم خوردہ دلوں پر نمک چھڑکنا تھا۔ ان مذموم افعال کے مرتکب انصار بھی تھے اور مہاجر بھی۔ جن کے احتساب سے اگر وہ یہاں بچ گئے، تو درگاہِ خداوندی سے وہ ضرور اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ بقول مولانا معنوی ؎

تو مشو مغرور از حلمِ خدا

دیر گیرد، سخت گیرد، مر ترا

بہرحال ہجرت کا سیلاب بے پناہ تھا۔ جس کا روکنا اور اسکا مناسب انتظام کرنا محالات سے تھا۔ اور انقلاب کو انقلاب کون کہتا۔ اگر ہندوستان سے آتے ہی اُن کے لئے تمام سامان مہیا ہوتا۔ اور ایک گھر سے اُٹھ کر دوسرے گھر میں آبیٹھتے۔ یہ ناممکن تھا۔ یہ ایک قومی مصیبت تھی، جس کو برداشت کرنا۔ اور ہر حادثہ کے لئے سینہ سپر ہونا ہمارا فرض تھا۔

بعض کانگرسی خیال کے احباب جو اس سیلاب میں پاکستان کے کنارے آلگے ہیں، دشمن کے زبردست تھپیڑوں نے ان کی کوئی رعایت نہیں کی۔ بیاس کی طرف جانے نہیں دیا۔ گنگا جمنا کے اشنان کے قابل نہیں سمجھا۔ وہ پاکستان میں بیٹھ کر ہندوستان اور ہندوستانی ارباب کار کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اور صبح و شام پاکستان کو کوستے رہتے ہیں۔

لیکن بھارت ماتا نے اس واسطے، کہ اگرچہ وہ خصائل کے لحاظ سے بھارت ماتا کے سپوت ہیں۔ مگر ــــ نام؟ ــــ بھارت باسیوں کے سے نہیں۔ اپنی آغوش سے پھینک دیا۔ اور کہا۔ "جاؤ تم بھرشٹ ہو گئے ہو۔ تم شدھ نہیں رہے۔ پاکستان میں جاؤ، ایران میں رہو۔ اور عراق عرب کی کھجوریں کھاؤ۔

بھارت ماتا کے یہ راندے ہوئے سپوت پھر بھی بھارت ماتا اور بھارتی بھراتاؤں کے غم فراق میں گرم گرم آنسو بہاتے ہیں، اور ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں۔ اور ہر ایک عالم اضطراب میں حضرت ذوق کا یہ شعر پڑھ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ ؎

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

یہ عام شکایت ہے، کہ انصار نے مہاجرین کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم نہیں کیا۔ نہ صرف بار خاطر سمجھا، بلکہ اُن کو تکلیفیں دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب مہاجر نہ وہ مہاجر ہیں، نہ انصار وہ انصار جو آج سے تیرہ سو سال قبل تھے۔ دونوں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ کہ وہ اُن صفات سے متصف اور اس اخلاق کے حامل ہیں، جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا مایۂ ناز تھا؟ بہرحال ہمیں یہ گلے شکوے چھوڑ کر سچے مسلمان بننا چاہئے۔ پھر دیکھیں،

مہاجر و انصار کی تفریق کہاں جاتی ہے ؟

گراں قدر خدمات

امرت سر کے بہت سے احباب نے جب اہل شہر کی زندگی خطرے میں تھی، ان کی جائدادیں لوٹی جا رہی تھیں، مکان جلائے جا رہے تھے، عزت و آبرو پر حملے ہو رہے تھے۔ نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں۔

مقبول ملز دروازہ بھگتاں والا کے ہمدرد و فیاض مالک نے نہایت ہمت اور جرات سے سکھوں کے حملے کو روکا۔ اور مسلمان غریبوں کی روپیہ اور آٹا وغیرہ سے بہت امداد کی۔ میاں محمد یس سوداگر چرم نے نہایت فیاضی سے کام لیا۔

مولوی سراج الدین پال ایم اے ایڈووکیٹ۔ چودھری ظہور الدین بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ، مہر شمس الدین، ممو پہلوان پسر غلام پہلوان۔ میاں غلام محی الدین میونسپل کمشنر نے بھی نہایت کوشش سے حفاظت و امداد کی۔

یہ امر نہایت مسرت خیز ہے۔ کہ میاں خیر الدین پہلوان نے اس نازک موقعہ پر لاکھوں روپے خرچ کئے۔ اور سرمایہ دار لوگوں کو بتایا۔ کہ روپیہ جمع کرنے کے لئے نہیں، بلکہ نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لئے ہے۔

شیخ مظفر الدین ساقی (کوچہ گگے زیاں)، خواجہ عبدالرحمٰن غازی ایڈووکیٹ (کوچہ رحمان وائیں) ڈاکٹر عبداللہ (کٹڑہ مہان سنگھ) شیخ حسام الدین۔ شیخ غلام محی الدین (قلعہ بھنگیاں) مسٹر حفیظ کچلو (ڈھاب کھٹیکاں) مہر احمد دین (دروازہ لوہگڑھ) اور دیگر بے شمار احباب نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں۔ اسلامی اخوت اور انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا۔ ؎

آئیگا کام آخر، جو کام نیک ہو گا
نیکی سے ابتدا کر۔ انجام نیک ہو گا

ہمارے لیڈر

تقریباً تمام لیڈر اور کارکن جنہوں نے مسلمانان امرتسر کی حفاظت کی اہم ذمہ داری لی ہوئی تھی، جو جلسوں اور جلوسوں میں اہم تقریریں کیا کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً اپنی لیڈری کی نمائش کرنے میں بھی پیش پیش ہوتے تھے۔ حالات کو خطرناک دیکھ کر ۱۵ اگست سے پہلے اور اس کے بعد ذمہ داری کا بارگراں کاندھوں سے پھینک کر اور مصیبت زدہ عوام کو خدا کے سپرد کر کے اپنی لیڈری کی داغ بیل ڈالنے کے لئے پاکستان پہنچ گئے۔ چنانچہ ایک حاجت مند کسان کی طرح ان کی کھیتی باڑی پھولی۔ اور ایک ایک دانے کے عوض ہزار ہزار دانہ حاصل کیا۔ بعض نے جو بالکل مفلس و قلاش تھے، حکومت سے سب کچھ حاصل کر کے، حکومت اور عمال حکومت کا شکریہ شہید شب و شتم اور مغلظ تبرّوں سے کیا۔

مخالف جماعتوں کے اکثر لیڈر جو مسلم لیگ اور قیام پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ اور ہر موقعہ پر بھرے جلسوں میں علی الاعلان حضرت قائد اعظم کی توہین کرتے رہے۔ کارخانے، دوکانات، مکانات، کوٹھیاں، پریس اور دیگر قیمتی اشیا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حکومت نے شاید ان کا منہ بند کرتے یا اپنی فراخ دلی کا ثبوت دینے کے لئے اس حسن سلوک سے کام لیا۔ بہرحال جو کچھ ہُوا اچھا ہُوا ؎ رموز مملکت خویش خسرواں دانند

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ڈاکٹر کچلو ایک با اصول، غیرت مند اور بے غرض لیڈر تھے۔ وہ کانگرس سے وابستہ ہوئے۔ اپنی لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی جائداد اسی دھن میں صرف کر دی۔ کانگرس اور

یا کسی اَور ادارے سے اپنے ذاتی مصارف کے لئے ایک کوڑی تک نہ لی۔ قیدو بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ مگر اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ جب تقسیم کا عمل ہُوا۔ تو بعض احباب نے پاکستان آنے کے لئے کہا۔ مگر وہ نہ مانے۔ کہ ع

آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

پاکستان میں تو ان لوگوں کو نوازا گیا۔ جو پاکستان کے دشمن تھے۔ لیکن بھارتی حکومت کی قدرشناسی دیکھیئے۔ کہ ڈاکٹر کچلو اب تک دہلی میں کس مپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں

شکریہ اور شکایت

میں ۲۳ ہر اگست کو پاکستان آنے کے تیار ہُوا۔ میں تھا۔ میری ضعیف بی بی، اور چار لڑکیاں۔ تھوڑا سا سامان اور چند کتابیں ساتھ لے کر ٹرین میں بیٹھا۔ میں اکیلا تھا۔ دوست و احباب اپنی اپنی فکر میں۔ چودھری عبدالعزیز دلال مکانات شریف پورہ نے میری بہت مدد کی جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنوں ہُوں۔

لاہور میں مَیں اپنی بیٹی کے ہاں پہنچا۔ وہ بھی فسادات میں اپنا مکان چھوڑ کر رام گلی میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں سر چھپائے بیٹھے تھے۔ میرے دو ایک رشتہ دار بھی یہاں تھے۔ جو نہایت بے اعتنائی سے ملے۔ حالانکہ مجھے ان سے نہ کسی امداد کی ضرورت تھی، نہ ہمدردی کی توقع۔

انصار میں سے جن احباب نے مجھ سے اظہار ہمدردی کیا۔ اور حتی الامکان میری مدد کی، وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ مسٹر ایس ایم حق ڈسٹرکٹ اینڈ سشن جج (میرے ۲۸ سال سے رفیق)

۲۔ مسٹر کے ایل رلیا رام ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول (دیرینہ دوست)

۳۔ ڈاکٹر ایم اے سعید ایم ڈی (ہومیو) ۹ نکلسن روڈ

۴۔ شفاء الملک حکیم محمد حسن صاحب قرشی۔

مہاجرین میں سے مندرجہ ذیل احباب نے پہلے سے زیادہ محبت و ملاطفت سے ملے۔ اور باہمی رفاقت و الفت کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۔ ایم۔ عطا محمد اینڈ سنز امپورٹرز ایکسپورٹرز کمیشن ایجنٹس برانڈرتھ روڈ

۲۔ چودھری صدر علی صاحب سوداگر چرم کراچی۔

۳۔ صوفی غلام محمد صاحب (ترک ہوٹل نسبت روڈ)

۴۔ مولوی سراج الدین پال ایم اے ایل ایل بی۔ ایڈوکیٹ۔

۶۔ مولانا محمد حسین صاحب عرشی

۷۔ حکیم منشی مہر دین صاحب (نیچرو پیتھی) پریم گلی ریلوے روڈ۔

۸۔ ڈاکٹر غلام حسن صاحب دندان ساز (جلال الدین اینڈ سنز نسبت روڈ۔

[illegible]

میرے تین بہت دیرینہ دوست۔ جو کئی سال سے مجھے لاہور آنے کی دعوت دے رہے تھے۔ ایک دو دفعہ ملے۔ مگر بہت بے اعتنائی سے۔

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء سے مکانوں کی تقسیم بذریعہ پرمٹ شروع تھی۔ ایک دیرینہ دوست وکیل جو یہاں اس کام کے لئے مجسٹریٹ لگے ہوئے تھے۔ میں تین دن اُنکے پیچھے پیچھے پھرا۔ لیکن وہ سیدھے منہ بات بھی نہ کرتے تھے۔ گویا ان کا یہ عہدہ بھی نمرود و خدائی تھی۔ کہ بندگی میں مرا بھلا نہ ہُوا۔

لیکن سردار عبدالجبار نے جو اُن کے افسر تھے۔ اور میرے واقف بھی نہ تھے نہایت مہربانی اور ہمدردی سے مجھے ایک ایسے مکان کا حصہ لے کر دیا۔ جس کا حاصل کرنا معمولی بات نہ تھی۔ جس کے واسطے اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ خدا ان کی عمر و دولت میں ترقی دے۔

(منظومات)

محشرستان پنجاب

(یہ نظم لاہور آکر لکھی گئی ہے)

وہ تارا سنگھ جو سکھوں کا تھا اک سر پھرا لیڈر
عمومی سکھ فطرت سے اسے سبقت تھی اوروں پر

دل اس کا تھا عرصہ دراز سے آتش فروزی میں
دماغ اس کا ہمیشہ محو فکر امن سوزی میں

زباں سے اس کی بجلی کی طرح شعلے نکلتے تھے
جو سنتے اسکی باتوں کو وہ دن ہی دل جلتے تھے

قیامت خیز تقریروں سے سب سکھوں کو چمکایا
وہ پہلے آگ تھے اب ڈال کر تیل اور بھڑکایا

نہیں ممکن مسلماں یاں پہ پاکستان بنا لیں گے
بہادر سکھ انہیں پنجاب سے باہر نکالیں گے

اطاعت ہم کبھی ان کی گوارا کر نہیں سکتے
کہیں بھی ان سے مل جل کر گذارا کر نہیں سکتے

مقابل آئیں گے جب ان کی ہستی تک مٹا دیں گے
بہادر ہم ہیں ان کے خون کی ندیاں بہا دیں گے

وطن پنجاب ہے اپنا کوئی اپنا نہیں سکتا
اسے قبضے میں آسانی سے ہرگز لا نہیں سکتا

یہ پاکستان کیا۔ ہم اس کو سکھستان بنائیں گے
بلا خوف و خطر میدان میں جائیں لڑائیں گے

ہمیں ان ہولیوں میں کھیلنا ہے خون کی ہولی
ہمارے واسطے بانکل رہا ہے خون کی ہولی

ہمارے ہاتھ میں رائفل کی پچکاریاں ہوں گی
لہو کی ہر در و دیوار پہ گلکاریاں ہوں گی

مسلماں کر چکے ہیں سختیاں سکھ پیشواؤں پر
مظالم سینکڑوں توڑے ہمارے رہنماؤں پر

دیئے تھے شاہزادے جس طرح دیوار کے نیچے
رکھیں گے ان کے بچوں کو بھی ہم تلوار کے نیچے

حقیقت ماننے کی بھولے نہیں ہیں داستاں ہندو
قصاص ان کا نہیں لیں گے ہمارے نوجواں ہندو؟

اگر کچھ دل میں غیرت ہے ہمارے ساتھ آجاؤ
بڑھو میدان میں ارجن کی شہزوری دکھا جاؤ

مسلمانوں کا بچہ بچہ چل کر قتل کر ڈالو
مسلمانوں کی لاشوں سے زمین ہند بھر ڈالو

کہیں نام و نشان ان کا نہ بھارت میں نظر آئے
مسلماں قوم اک حرف غلط کی طرح مٹ جائے

کہیں باقی نہ چھوڑیں گے مسلماں کی مسلمانی
انہوں نے کی ہے ہندوستان میں ہندو قوم کی ہانی

سامان کی زباں سے لفظ پاکستاں نکالیں گے
نہ باز آئے اگر کرپان سے ہم کاٹ ڈالیں گے

نہیں رہنا نہیں رہنا ملیچھوں کی غلامی میں
ذرا بھر بھی نہیں ہے فرقِ مسلم اور غلامی میں

ہماری ماتری بھومی کے ٹکڑے ہو نہیں سکتے
اگر ہو جائیں تو ہم اچھے بیٹھے ہو نہیں سکتے

وزارت لیگ کی پنجاب میں بننے نہیں دیں گے
مقابل میں کسی کی چھاتیاں تننے نہیں دیں گے

وزارت ہی کو پاکستان کی بنیاد سمجھو تم
یہ قائم ہو گئی تو ہند کو برباد سمجھو تم

مسلمانوں کی طاقت سے خضر بیحد ہراساں تھا
مسلمانوں کے آگے جھک گیا آخر مسلماں تھا

بہت کمزور نکلا اس نے ہم سے بے وفائی کی
وزارت توڑ کر ناحق ہماری جگ ہنسائی کی

عمل کا وقت ہے اٹھو نہیں اب وقت باتوں کا
کرو ہنگامہ برپا کشت خوں کی وارداتوں کا

کروڑوں سکھ اور ہندو اگر میداں میں آئیں گے
پرخچے پل میں پاکستان والوں کے اڑائیں گے

یہ ہیں شاہیں بچے اپنے ابلے کاگ ان سے اچھے ہیں
سراسر زہر کے پتلے ہیں۔ یہ ناگ ان سے اچھے ہیں

اٹھالو حلف اب ان کا صفایا کر کے چھوڑیں گے۔
زمین ہند میں اک حشر برپا کر کے چھوڑیں گے۔

کیا جب تو پھر جلسے نئے وہ بن کر جلوس آئے
کرشمے اپنے زور و شور کے نعروں سے دکھلائے

حواس و ہوش سے محروم منہ آلودہ تھے کف سے
اٹھا رکھا تھا سر پہ آسمان تک شور و عف عف نے

یہ مجمع تھا خلاف آئین کے پولیس نے روکا
بڑھا آگے۔ تو بڑھنے سے اسے ہر گام پر ٹوکا

اٹھائیں لاٹھیاں پولیس نے تو خشت باری کی
دکھایا حوصلہ اور کی نمائش جاں سپاری کی

چلی گولی تو وہ میداں میں لاشیں چھوڑ کر بھاگے
تڑپتے زخمیوں سے ڈر گئے منہ موڑ کر بھاگے

یہ تھا لاہور میں پہلا ہی حملہ سکھ ہندو کا
ہوا پسپا، مہابیری، اکالی، سیوکی، گوکا

مزا جب تھا کہ چھاتی تان کر یہ گولیاں کھاتے
اگر مرنے کو آئے تھے تو مر کر نام کر جاتے

خبر پنجاب میں پھیلی تو سب سکھ جوش میں آئے
یہ سن کر داستانِ درد غافل ہوش میں آئے

ملے آپس میں ہندو سکھ مسلمانوں پہ جا ٹوٹے
مکانوں کو جلا ڈالا۔ وہ غفلت میں گئے لوٹے

بس اب سوئے ہوئے شیروں نے کھولی آنکھ کروٹ لی
مٹانے کو مسلمانوں کے جب آمادگی دیکھا

وہ آئے جوش سے میداں میں سینہ سپر ہو کر
شجاعت کے لگے جوہر دکھانے بے خطر ہو کر

الٰہی سکھ، ہندو ، خنجروں تیغوں سے بھالوں سے
حفاظت کر رہے تھے رات دن خونریز آلوں سے

مسلماں سے ہوئی جب بھڑ، میداں چھوڑ کر بھاگے
دلیری ہو گئی کافور۔ سب منہ موڑ کر بھاگے

جہاں بھی سامنا ہوتا شکست فاش کھاتے تھے
مسلماں آگے بڑھتے ہر قدم پر دبکتے جاتے تھے

زمیں ہر جا پہ قلعی کھل گئی ان کی شجاعت کی
ہوئیں باطل وہ ساری داستانیں عزم و ہمت کی

سکھ اپنے آپ کو کہتے تھے یکتا جاں نثاری میں
مگر دیکھا کہ ماہر ہیں زبانی گولہ باری میں

مسلماں اکے دکے کو کیا قتل ان دلیروں نے
دکھائی بزدلی یہ نام کے مشہور شیروں نے

نہ غالب آ سکے جب اسلام کے جانباز مردوں پر
اٹھایا ہاتھ بے بس عورتوں، معصوم بچوں پر

کسی عورت کو مارا بند بند اس کا جدا کر کے
کسی کی جان لی دے کر انہوں نے پے بہ پے چرکے

کسی کو خون بہانے کے لئے کھونٹی سے لٹکایا
کسی کو ماہی بے آب کی مانند تڑپایا

سسکتی عورتوں کے سامنے بچے تڑپتے تھے
وہ خود بسمل تھیں پاس انکے جگر پارے تڑپتے تھے

ہماری وحشیوں کی داستاں دہرائی سادھوں نے
عجب انسانیت کی شان یہ دکھلائی سکھوں نے

کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ پھینکے، سر اڑا ڈالا
کسی کو زندہ جلتی آگ میں جھونکا، جلا ڈالا

نہ آیا رحم ان کو بیکسوں معصوم بچوں پر
کئے برپا ستم ماں باپ سے محروم بچوں پر

انہیں کر کر کے ٹکڑے جھولیوں میں ماؤں کی ڈالا
چلاتی ماؤں پر کرپان کا بھونکا انہیں جلا

مقابل آئے مردوں کے تو ساری مردمی بھولے
مثال آہوئے رم دیدہ فوراً چوکڑی بھولے

مگر افسوس! جب یوم حصول اقتدار آیا
تو ہندو لیڈروں نے وحشیوں کو اور بھڑکایا

مسلمانوں سے خالی مشرقی پنجاب کر ڈالو
مناسب وقت ہے۔ اس لوٹ کو غفلت میں مت ٹالو

دل بگیر سب پنجاب بس اپنے زیر فرماں تھا
شریک سازش قتل مسلماناں وہ شیطاں تھا

دنوں میں مشرقی پنجاب کی صورت بدل ڈالی
مسلماں فوج اور پولیس سے کر دیا خالی

معین کر دیئے حکام ہندو سکھ شہروں میں
پولیس اور فوج انکی آ گئی گلیوں میں کوچوں میں

کئے برپا ستم ان ظالموں نے خوب اہل گل کے
جنون حاکمیت میں ہوئے محو جفا کھل کے

سدا نو کے قصبے شہر لوٹے اور جلا ڈالے — محلوں کے محلے کر کے سب ری اڑا ڈالے
نظارہ خنجر و شمشیر کی برش کا دکھلایا — شبیہہ اس کو کیا فی الفور جو بھی سامنے آیا
دھما دھم جو آتیں گولیاں چلنے کی آوازیں — فضا میں گونجتیں بے جان مقتولوں کی فریادیں
اندھیری رات میں سکھوں کے جتھے وار کرتے تھے — مسلماں تھے نہتے، جو بھی ہوتا کر گزرتے تھے
غضب ہر شہر اور قصبے میں منظر کربلا کا تھا — جدھر دیکھو قیامت تھا، مچا اک حشر برپا تھا
نہ تھی محفوظ دولت آبرو اور جان مسلماں کی — کوئی دم کے لیے تھی زندگی مہمان مسلماں کی
یہ حالت دیکھ کر نہرو کے ماتھے پر نہ بل آیا — وہ خوش تھا ان کے قتل عام سے مطلب نکل آیا
بیاں اک ریڈیو میں دے کے لی راہ دہلی کی — بظاہر تھا پیام امن، دھمکی تھی مگر خالی

دنوں میں مشرقی پنجاب سارا بن گیا مقتل
ہمارا جو وطن تھا، اب ہمارا بن گیا مقتل

کہیں بھی جب نہ مظلومین نے جائے اماں دیکھی — ضیاع آبرو پایا، تلف ہونے کو جاں دیکھی
نگاہِ حسرت و اندوہ سے دیکھا مکانوں کو — نہ کی پروا ملک و مال، چھوڑا کارخانوں کو
وہ خالی ہاتھ نکلے، ساتھ لے کر بال بچوں کو — فقط جاں کی پڑی تھی خانماں برباد لوگوں کو
ساتھ خوف و دہشت۔ بیقراری کو بنا گھر گھر — تن تنہا کئی بھاگے، بہت سے ٹولیاں بن کر
کہاں چلنے، کہ پاکستان ہی ماویٰ و ملجا تھا — یہی جائے اماں تھی اور یہی ان کا سہارا تھا
ٹرینیں، موٹریں اور لاریاں چلنے لگیں، اکثر — ٹرکوں پر کئی جانے لگے سامان لے لے کر
سواری کے ذریعے سے ہزاروں بدنصیب آئے — مگر مرتے، ستم سہتے ہوئے اکثر غریب آئے
یہ ہجرت بھی کھٹکنے لگ گئی سفاک سکھوں کو — نہ تھا منظور زندہ چھوڑنا خانہ بدوشوں کو
ہزاروں قتل کر ڈالے، کیے حملے غریبوں پر — لگے تھے گھات میں وحشی ہزاروں شاہراہوں پر
جو کوئی ہاتھ آیا خاک و خوں میں اس کو تڑپایا — اڑی انسانیت ایسی کسی پر بھی نہ رحم آیا
غریبوں کی ٹرینیں، قافلے معدوم کر ڈالے — فنا سب مرد و عورت طفلکِ معصوم کر ڈالے

بچے جو، وہ بحالِ زار پاکستان میں آئے
جہنم سے نکل کر روضۂ رضوان میں آئے

مہاجر آ گئے۔ انصار استغنا کے ماتے تھے ‌‌ یہ تھے بے چین وہ آرام کی دنیا کے ملتے تھے
بیانات قدیم ہجرت ان کو یاد تھے شاید؟ ‌‌ وہ افسانے مقام قلب میں آ بکو تھے؟ شاید!
مگر وہ بے نیازی صاف صاف انکار کرتی تھی ‌‌ کہ وہ ہے قصۂ پارینہ۔ یہ اظہار کرتی تھی
وہی انصار تھے۔ خلق و مروت کے جو پیکر تھے ‌‌ دلی ہمدرد تھے۔ اور منتظر با دیدۂ تر تھے
مہاجر آئے جس دم ہو گئیں سب فرش رہ آنکھیں ‌‌ لگیں اظہار کرنے اشتیاقِ بے پنہ آنکھیں
مدارات و تواضع میں ہر اک سبقت کا خواہاں تھا ‌‌ جسے دیکھو۔ وہ مہمانوں کی آسائش میں شاداں تھا
خوشی سے جائیدادیں نصف اپنی انکو دے ڈالیں ‌‌ جو حاصل راحتیں تھیں نذر ان کو شوق سے کردیں
وہ ان کے غم کو غم راحت کو راحت واقعی سمجھے ‌‌ وہ ان کی فارغ البالی کو اپنی زندگی سمجھے
مگر ہم ہیں کہ بیچاروں کی روٹی چھین لیتے تھے ‌‌ اگر دیتے تھے تو آدھی بڑی مشکل سے دیتے تھے
وہ راتیں جاگتے تھے۔ محو خواب استراحت یہ ‌‌ وہ ہمدردی کے طالب، مائل صہبائے نخوت یہ
وہ کوشش سر چھپانے کی صباح و شام کرتے تھے ‌‌ مگر انصار محلوں میں پڑے آرام کرتے تھے
انہوں نے بھی جہاد قوم میں قربانیاں دی ہیں ‌‌ قیام ملک پاکستان میں آسانیاں دی ہیں
سمجھتے تھے کہ پاکستان سے باہر رہیں گے ہم ‌‌ بسر عمر اپنی غیروں ہی کے سائے میں کریں گے ہم
مصیبت آ گئی ان پر تو پھر اغماض کیوں کرنا ‌‌ غریبوں کو ترش رو ہو کے اب آ ماض کیوں کرنا

نہیں یہ بے رخی لازم ہے پاکستان والوں کو
مٹا کر دل سے غیریت سنبھالیں خستہ حالوں کو

محبت سے رہو آپس میں اے بھائی مسلمانو ‌‌ مسلماں کو خدارا دست بازو اپنا تم جانو
خریدی خوں دے کر ارض پاکستان ہے ہم نے ‌‌ بنانا اب اسے زرخیز نخلستان ہے ہم نے
یہی لاشیں شہیدوں کی ہیں پاکستان کی بنیادیں ‌‌ رکھیں خود دست حق نے روضۂ رضواں کی بنیادیں
بسیں گی آ کے پاکستان میں روحیں شہیدوں کی ‌‌ تمنائیں یہاں ہیں دفن جنت آرمیدوں کی
ہم آئے اس جہاں میں جلوۂ وحدت دکھانے کو ‌‌ ہم آئے نور حق سے ظلمت باطل اڑانے کو
ہمیں آغوش الفت میں مخالف کو بھی لینا ہے ‌‌ ہمیں "لاتفسدوا فی الارض" کا پیغام دینا ہے
کرو رحم و کرم اسلام کی تعلیم ہے ہم کو ‌‌ دل و جاں سے اسی تعلیم کی تعظیم ہے ہم کو

جنہیں ہے اس وطن میں قدرتی وابستگی ہم سے — جدا ہو ہی نہیں سکتے یقیناً وہ کبھی ہم سے
انہیں خوش ہو کے جگہ دینگے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے — رواداری سے پیش آئیں گے ناز انکے اٹھائیں گے
ہری جن ہو کہ ہندو ۔ پارسی ہو یا کہ عیسائی — ہمارے ہم وطن فرخ ہیں سمجھیں گے انہیں بھائی

خلاف حکم مذہب نیست دستور ہوا خواہی
تعصب دور کن از دل اگر وصل خدا خواہی

داستانِ درد

(۱۵ / اگست سنہ ۱۹۴۷ء)

فسادات کا جا بجا زور ہے — تباہ کاریوں کا بپا شور ہے
ہوا قتل و غارت کا بازار گرم — دلوں سے اڑی آدمیت کی شرم
نہ محفوظ مال اور نہ مامون جاں — چمکتی ہیں آفات کی بجلیاں
ہوئی خانہ جنگی خطرناک جنگ — کہ بدلا ہوا ہے زمانے کا رنگ
تعصب ، شرارت ، رعونت ، فساد — جہالت ، حماقت ، رعونت ، عناد
لڑاتے ہیں انساں کو انساں سے — بڑھے آج انسان حیوان سے
کہانی بربریت یہ حیوان میں — جو موجود ہے قلب انسان میں
یہ ہے اک جگہ رہنے والوں کی جنگ — ہوئی عافیت امن خواہوں کی تنگ
کسی کے جو ہاتھ آیا مارا گیا — بدن سے سر اس کا اتارا گیا
نہ بچے پہ ترس اور نہ عورت پہ رحم — نہ آیا ضعیفوں کی حالت پہ رحم
فزوں حد سے ہے جذبۂ انتقام — کسی کا کسی کو نہیں احترام
مسلح گروہوں کے حملوں کا خوف — ستم ڈھانے والے حریفوں کا خوف
وہ سکھ آگئے ہر طرف شور ہے — مسلمان بے ربط کمزور ہے۔

ادھر غل ہے یہ آئی ہندو کی فوج ... وہاں جا بجا چھائی ہندو کی فوج
اکالی کہیں ، اور کوئی کہیں ۔ ... مسلماں کے بچنے کی صورت نہیں
وہ مقبول مل پر بھی یورش ہوئی ... ہے اسلام آباد میں کھلبلی
وہ ہے ہال بازار شعلہ فشاں ... وہ کٹڑہ کنہیاں سے اُٹھا دھواں ۔
وہ جہلم کے کٹڑے میں ہے شور و شر ... وہ ٹاکیز رائل سے اُٹھے شرر
تھا اغیار کو جارحیت کا شوق ... مسلماں کو کرب و اذیت کا ذوق

وہ ہو کر مسلح در آنے لگے ۔
شجاعت کے جوہر دکھانے لگے

نے قتل و غارت کے حالات جب ... لرزنے لگے خوف سے سب کے سب
جو بادل دھوئیں کے اُٹھے چار سو ... بپا شور و غل ہو گیا : کو بکو
دھوئیں میں چمکتے شرارے بھی ہیں ... وہ بادل بھی ہیں بمتن پارے بھی ہیں
محلات جل کر ہوئے ہیں تباہ ... وہ بازار سارا ہے خاکِ سیاہ
ہوا آگ کی نذر لاکھوں کا مال ... غریبوں کا اور ساہوکاروں کا مال
ہوئی خونِ انساں سے سرخ تیغ ۔ ... کئے جا رہے قتل ہیں بے دریغ
بڑھیں حد سے اعدا کی بیباکیاں ... کئے جا رہے ہیں وہ سفاکیاں
سوار ان کے سر پر ہے ایسا جنون ... کہ ہمدرد بن کر بہاتے ہیں خون
کئی ننھے بچے کئے ہیں ہلاک ۔ ... کئی عورتیں ہو گئیں سینہ چاک
نہیں اتفاقی یہ اقدامِ رزم ... مسلمان کو ہے مٹانے کا عزم
یہ سب سوچی سمجھی ہوئی ہے سکیم ... منظم ۔ مسلح ہے فوجِ غنیم
ہیں جتھوں پہ جتھے چڑھے آ رہے ... بلا روک ادھر ہیں بڑھے آ رہے
جو ہیں خالص اسلامی آبادیاں ... ہے مقصود کرنا انہیں بے نشاں
ہے پیشِ نظر قتلِ عام بہار ... دکھائی ہے یاں صبح و شام بہار
رہیں گے بیکس اور نہ باقی مکاں ... بدل دیں گے وہ شکلِ ہندوستاں

رہیں گے یہاں سکھ ہندو فقط — مسلمان ہے ایک حرفِ غلط
مٹانا اسے ان کو منظور ہے — کہ یہ ان کی نظروں میں مقہور ہے
یہ حالات تھے اس قدر لرزہ خیز — ہوئی آنکھ بے ساختہ اشک ریز
نہ صبر و تحمل کا یارا رہا — دل مضطرب نے تڑپ کر کہا
"ہوا آکے ایسی[۱] جگہ ۔ تو مکیں — جہاں کوئی معقول بستی نہیں
لبِ سڑک ہیں ۔ چند آباد گھر — کہ ہر دم ہے دشمن کی جن پر نظر
کھلی جگہ ۔ اور غیر محفوظ تو — ہے خطرے میں جاں ۔ خانماں ، آبرو
حفاظت کا سامان کوئی نہیں — رفیق و نگہبان کوئی نہیں
نزولِ مصائب کا بس شور ہے — مگر تو اکیلا ہے کمزور ہے
نہ پُرجوش جوانی نہ روح دفاع — نوائے عمل کہہ گئے الوداع
نہ بھالا ۔ نہ قبضے میں تلوار ہے — کلہاڑی نہ خنجر ۔ نہ سوفار ہے
نہ لاٹھی بھی رکھی کہیں اپنے پاس — کوئی اور اسلحہ نہیں اپنے پاس
محافظ ہے تو چند عورات کا — تجھے آسرا پھر ہے کس بات کا
لرزتے ہیں اب تو دلیروں کے دل — نہیں اپنے قابو میں شیروں کے دل

جواں مرد بھاگے ہیں گھر چھوڑ کر
کہیں جا کے دبکے ہیں دم توڑ کر

صدا غیب سے مجھ کو آئی دریں — غم و فکر زنہار زیبا نہیں
نہ ڈر موت سے موت ہے لازمی — یہ ظالم نہیں ٹل سکے گی کبھی
اے فرخ محافظ ہے تیرا خدا — نہیں کوئی جس کا ہے اس کا خدا

وہ ہمدم ، وہ محرم ، وہ درد آشنا
وہ حافظ ، وہ ناصر ، وہ مشکل کشا

---

[۱] شمس آباد ۔ شریف پورہ امرتسر کے پاس ۔

ظلم ناروا

(حادثہ چوک پراگ داس امرتسر)

بلیک ہول کا پُردرد حادثہ سن کر — غم و ملال سے ہوتے تھے انگلیس مضطر
پراگ داس کا چوک اس سے لے گیا بازی — جہاں پہ بستے مسلماں غریب تھے کمتر
وہاں پہ سکھ درندوں کی اکثریت تھی — بزور زوک لیا مسلموں کو یہ کہہ کر
"کرو نہ خوف ذرا۔ تم ہمارے بھائی ہو — تمہیں یہاں نہیں ہوگا کس طرح کا خطر
کریں گے دل سے حفاظت تمہارے کنبوں کی — مجال کیا۔ تمہیں پہنچائے کوئی آ کے ضرر"
یہ اعتماد کشی کی انہوں نے وائے ستم — بپا غضب کیا اپنی پناہ میں لے کر
مکان لوٹ لئے۔ آدمی شہید کئے — جلایا عورتوں بچوں کو بند کر کے در
پراگ داس کے اس چوک میں قیامت تھی — بلیک ہول کا نقشہ بنا دیا گھر گھر
ستم رسیدوں کی فریاد کون سنتا تھا — کیا ہوا تھا بپا ظالموں نے فتنہ و شر
سلح وحشیوں کا رقصِ ظلم باہر تھا — تڑپ رہے تھے زبوں حال نیم جاں اندر
دھوئیں میں کوندتی تھیں بجلیاں جو ہر لمحہ — یہ بیکسوں کی تھیں آہیں کہ آگ کے تھے شرر
ہم اشکبار تھے سن کر بہار کے حالات — یہاں بھی دیکھ لیا ہم نے جاں ربا منظر

جگر زخنجر غم چاک چاک مے گردد
بدل ہجوم تمنا۔ ہلاک مے گردد

حقیقت

دیکھو جسے سو پریشانی ہے — آباد کے دل میں غم ویرانی ہے۔
نازاں سروسامان پہ نہ ہوائے فرخ — اس میں اثر بے سروسامانی ہے۔

عیدِ محرّم

عید الفطر کے دن

(۱۸ اگست ۱۹۴۷ء)

عید کیسا۔ عید محرم آج ہے اپنے بیگانوں کا ماتم آج ہے
درد و کلفت۔ حسرت و غم آج ہے اشک افشاں چشم پرنم آج ہے

خانۂ دل مدفن ارمان ہے
ہر تمنا بسمل و بے جان ہے

خواب پاکستان کی تعبیر دیکھ آئینۂ امید کی تکفیر دیکھ
جرم اپنا دیکھ۔ اور تعزیر دیکھ بن کے بگڑی کسطرح تقدیر دیکھ

ہم قریب منزل آ کر رہ گئے
گھر سے باہر۔ گھر بنا کر رہ گئے

شادمانی کا سماں ہے اک طرف نالہ و آہ و فغاں ہے اک طرف
نورِ بہارِ گلستاں ہے اک طرف جوشِ باد خزاں ہے اک طرف

اک طرفِ محوِ حفاظت باغباں
اک طرف صیاد گلچیں جانستاں

عید کی خوشیاں منائیں کس طرح داغِ غم دل سے مٹائیں کس طرح
ہم یہ جو گذری سنائیں کس طرح کیا کریں۔ بگڑی بنائیں کس طرح

نرغۂ اغیار میں آتے ہوئے
نیم جاں بیٹھے ہیں گھبراتے ہوئے

خونچکاں خنجر ہلالِ عید ہے تیز تر نشتر ہلالِ عید ہے
درد کا پیکر ہلالِ عید ہے دل شکن منظر ہلالِ عید ہے

چاند دیکھا، بجلیاں گرنے لگیں
پھونکنے کو قصرِ جاں پھرنے لگیں

پہنچے منزل پر رفیقِ کاروان | کردیئے نصب اپنی عظمت کے نشاں
ہم نگوں بختی سے اپنی ناگہاں | رہ گئے رستے میں با آہ و فغاں

کینہ توزوں کی غلامی میں رہے
مبتلا قیدِ دوامی میں رہے

عید کی خوشیاں کبھی دیکھیں گے ہم؟ | منقلب دورِ زماں دیکھیں گے ہم؟
شکلِ اہلِ کارواں دیکھیں گے ہم؟ | غمزدوں کو شادماں دیکھیں گے ہم؟

غم کو اے فرخ خوشی سے ٹال دو
رحمتِ حق سے نہ تم مایوس ہو

مہاجرین کا شکوہ

(طائرانہ زبان میں)

آئے تھے ہم سمجھ کے باغ اپنا | آگے آگے اڑا رہے ہیں ہمیں
آشیاں کی تلاش میں افسوس | راہِ صحرا دکھا رہے ہیں ہمیں

سر چھپائے ہوئے ہیں پتوں میں | پھر بھی رہتے ہیں باغباں ناراض
آنہ جائیں غلیل کی زد میں | نظر آتے ہیں پاسباں ناراض

آہ! آئے ہیں ایسے گلشن میں | آشیانہ جہاں نہیں ملتا
اب و دانہ ہمیں کہاں لایا | آب و دانہ جہاں نہیں ملتا

کاروانِ بے سر و سامان

کا

نالۂ دلسوز

(مصیبت زدہ مہاجرین کے جذبات)

ہم ہیں محنت کشانِ پاکستان — محنتانہ ہمیں نہیں ملتا
اب تو اُڑنے سے رہ گئے پر بھی — آشیانہ ہمیں نہیں ملتا
ہم کو آنسو ہی آب و دانہ ہیں — آب و دانہ ہمیں نہیں ملتا
ایک پیسہ بھی ہاتھ آجائے — وہ خزانہ ہمیں نہیں ملتا
جس زمانے میں چین حاصل تھا — وہ زمانہ ہمیں نہیں ملتا
رنجِ آوارگی و رسوائی ! — قید خانہ ہمیں نہیں ملتا
دھوپ بارش میں سر چھپانے کو — شامیانہ ہمیں نہیں ملتا
جس بہانے سے موت آجائے — وہ بہانہ ہمیں نہیں ملتا

اشہبِ عزم تیز ہو فرخ
تازیانہ ہمیں نہیں ملتا

آرزو

سرگشتہ و حیران ہیں سب پیر و جواں — افسوس نہیں کچھ خبرِ سود و زیاں
دنیا میں جبھی فخر سے ہم آئے فرخ — ہو پاک جہالت سے اگر پاکستاں
جس بات پہ ہم مرمٹے۔ وہ بات کہاں — جب دیکھتے ہیں اپنے وطن کے عنواں
کہتے ہیں بصد رنج و الم اے فرخ — یہ پاک زمیں، اور ہیں ہم پاک نشاں

امرتسر کی مختصر تاریخ

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس شہر میں ہم نے اور ہمارے آباؤ اجداد کئی سو سال قیام کیا۔ اس کو اپنا وطن سمجھ کر اس کی تعمیر میں خون پسینہ ایک کیا۔ اس کی چپہ چپہ زمین میں ہمارے بزرگوں کی خاک اور ہمارے عزیزوں کے فانی جسم مدفون ہیں۔ اس کی مختصر تاریخ ہدیۂ ناظرین کی جائے۔ تاکہ ہماری آیندہ نسلوں کو معلوم رہے کہ یہ وہ شہر ہے جس کے ہم برابر کے حصہ دار تھے۔ جس میں مساویانہ حقوق رکھتے تھے۔ اور جس کی ترقی و ارتقا میں شب و روز مصروف رہے۔ جہاں ہمارے مکانات جائدادیں اور یادگاریں موجود ہیں۔ جو اب ان وحشی مزاج لوگوں کے قبضے میں ہیں۔ جنہوں نے بادۂ تعصب سے از خود رفتہ ہو کر ہمیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ ہم تقسیم کے بعد وہاں ہندوستان کی رعایا بن کر رہنا چاہتے تھے۔ مگر حکومت نے بھی ہماری استدعا منظور نہ کی۔ وہ حکومت جو ایک جمہوری حکومت کہی جاتی ہے جس کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو بڑے آزاد خیال اور بے تعصب مشہور تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو ہندی قومیت کی حیثیت سے اپنی قومی جماعت میں شامل رکھ کر آزادی حاصل کی۔ اور متحدہ قومیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہے۔ مگر جب امتحان کا وقت آیا۔ مسلمانوں کی ایک نہ سنی۔ اور ان کے نکل جانے پر اطمینان کا سانس لیا۔

امرتسر کی بنیاد

سکھوں کے چوتھے گرو، گورو رام داس جی نے شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں رکھی۔ جو سنہ ۱۹۲۷ء بکرمی گورو امرداس جی کے سرگباش ہونے پر گدی نشین ہوئے۔ اور اس تالاب پر آئے۔ جہاں گورو نانک دیو جی کسی زمانے میں رونق افروز ہوئے تھے

انہوں نے اپنے رہنے کے لئے وہاں ایک جھونپڑی بنائی۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک چھوٹا سا گاؤں وہاں آباد ہوگیا۔ جس کو لوگ "گرو کی نگری" کہنے لگے۔

گورو رام داس جی نے ہر مندر (دربار صاحب) کی بنیاد قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے لاہور کے مشہور و معروف خدا پرست بزرگ حضرت میاں میر صاحب سے سنگ بنیاد نصب کرایا۔ کچھ عرصہ کے بعد معمولی سی عمارت تعمیر ہوگئی۔ اور یہ سکھوں کا مقدس استھان بن گیا۔

ایک روایت

بیان کیا جاتا ہے کہ اس تالاب کے مشرقی جانب ایک بیری "دُکھ بھنجنی بیری" (دکھوں کو دور کرنے والی) مشہور تھی۔ جہاں ابتدا میں گورو رام داس جی نے قیام فرمایا تھا۔ اتفاق سے ایک نوجوان لڑکی اپنے جذامی خاوند کو ٹوکرے میں ڈالے ہوئے یہاں آئی۔ یہ بچی کے راجہ کی بیٹی تھی۔ جسے اس نے بطور سزا اس کوکوڑھی کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ اطاعت شعار غریب لڑکی نے باپ کے فیصلہ کو بسر و چشم منظور کیا۔ وہ یہاں خاوند کا ٹوکرہ رکھ کر گاؤں میں بھیک مانگنے چلی گئی تھوڑی دیر کے بعد ایک کوا اڑتا ہوا تالاب پر آیا۔ اور اس میں غوطہ لگایا۔ اس کے بال و پر سفید ہوگئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر کوڑھی کے دل میں امنگ پیدا ہوئی ٹوکرے سے جوں توں کر کے نکلا۔ اور رینگتا ہوا تالاب میں جا پہنچا۔ ایک ہی غوطے میں اس کا سارا مرض دور ہو گیا۔ لڑکی واپس آئی۔ تو اپنے خاوند کو وہاں نہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تالاب کے کنارے پر نظر کی۔ تو ایک تندرست خوبصورت جوان کو بیٹھے دیکھا۔ اور پہچان نہ سکی۔ خاوند نے آگے بڑھ کر سب ماجرا بیان کیا۔ تو اس کی حیرت آمیز مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور دونوں نے حکیم مطلق اور شافی برحق کا شکریہ ادا کیا۔

یہی وجہ اس شہر کا نام "امرت سر" قرار پانے کی ہے۔ "امرت" "آب حیات"

اور "سر" تالاب۔ جو نزدیک دور مشہور ہو گیا۔

دربار صاحب

گورو رام داس جی کے بعد ان کے جانشین گورو ارجن دیو جی نے "دربار صاحب" کو معمولی حالت سے بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ان کے جانشینوں نے کئی اور اضافے کئے۔ لیکن جب پنجاب پر سکھوں کا قبضہ ہوا۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس عمارت کو دنیا کی ایک بہترین عمارت بنا دیا۔ ایک طویل و عریض تالاب کو چاروں طرف سنگ مرمر کا فرش لگوایا۔ اور عمارت کو اندر اور باہر سونے کے منقش پتروں سے مزین کیا۔ مغربی سیاحوں نے اس مندر کا نام "گولڈن ٹمپل" سنہری مندر رکھا۔

سنگ مرمر جس قدر دربار صاحب میں لگایا گیا ہے۔ وہ لاہور کی اسلامی عمارتوں سے اکھیڑ کر لے جایا گیا تھا۔

انگریزی حکومت

زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ حالت کبھی یکساں نہیں رہتی۔ کبھی یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس کے بعد سکھوں کا دور آیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد سکھوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ آپس میں لڑ بھڑ کر کمزور ہو گئے۔ اور انگریزوں نے پنجاب پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اور اپنی انتظامی اصلاح کی۔ بہت سے دیہات کا الحاق کر کے امرتسر کو ضلع کا صدر مقام بنا دیا۔

پولیس وغیرہ کا باقاعدہ انتظام کیا۔ ابتدائی اور ثانوی مدرسے جاری کئے۔

ڈاک و تار۔ ریلوے وغیرہ محکمہ جات سے شہر کی حالت بدل گئی۔ بجلی اور واٹر ورکس سے شہر کی رونق دوبالا کر دی۔ میونسپل کمیٹی قائم کی۔ ملکی اصلاحات

کے ساتھ ساتھ اس کو بھی اصلاحات دی گئیں ۔ پختہ سڑکیں بنائی گئیں ۔

اقتصادی ترقی

امرت سر میں مختلف اقوام کے لوگ آباد تھے ۔ اہل حرفہ اور مزدور پیشہ لوگ خصوصاً دور دور سے آباد ہوئے ۔ صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی ۔ تجارت کو دن بدن فروغ ہوا ۔ آبادی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ عالی شان محل اور مکان بنے ۔ کارخانے جاری ہوئے ۔ ہندو سرمایہ دار تھے ۔ اور مسلمان عام طور پر اہل حرفہ اور مزدور پیشہ ۔ آبادی اور تجارت میں اس قدر اضافہ ہوا ۔ کہ امرت سر پنجاب کا تجارتی دار الخلافہ بن گیا ۔

شال بانی ۔ قالین سازی ۔ رفوگری اور ٹھپہ گری کا خاص زور تھا ۔ یہ کام مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے ۔ لیکن ان کی تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی ۔ اس کے علاوہ پشمینہ ۔ ریشمی پارچات ۔ سوتی کپڑے بنائے جاتے تھے ۔ گوٹا کناری ہاتھی دانت کا سامان ، کنگھیاں اور دیسی جوتے بھی بہت اچھے بنتے تھے ۔

باہمی تعلقات

مسلمانوں اور ہندوؤں کی آبادی میں تھوڑا فرق تھا ۔ مسلمان زیادہ تھے اور ہندو سکھ دیگر اقوام مل کر مسلمانوں سے بڑھ جاتی تھیں ۔ ورنہ فرداً فرداً مسلمان ان سے اکثریت میں تھے ۔ سب کے تعلقات آپس میں بہت اچھے تھے سیاسیات کے دور سے پہلے ہندو مسلمانوں کے تعلقات بہت اچھے تھے ۔ اگر کوئی حادثہ ہو جاتا ۔ تو وہیں دبا دیا جاتا ۔ اس کو فرقہ دارانہ سوال نہیں بنایا جاتا تھا ۔ مگر جب سے سیاسی جدوجہد شروع ہوئی ۔ رائی کا پہاڑ بنا کر دنیا میں مشتہر کیا جاتا ۔ کیونکہ پہلے وقتوں کے رہنما ۔ منافرت کی آگ بھڑکا کر لیڈر نہیں بنتے تھے ۔ مگر جب سیاسی دوکانداری شروع ہوئی ۔ تو ہمارے

لیڈروں نے ہندو مسلم فسادات کو اپنی لیڈری کا ذریعہ سمجھا۔

۱۹۱۹ء ہندو مسلمانوں اور دیگر اقوام کے تعلقات کا انتہائی خوشگوار عروج میں ہوا۔ جبکہ رولٹ ایکٹ کی وجہ سے جدوجہد شروع ہوئی۔ رام نومی کے تیوہار پر ہندو مسلمانوں نے ایک گلاس میں پانی پیا۔ ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری پر شہر میں تین دن بے عملی رہی - ۱۳ اپریل کو ڈائر نے گولی چلائی۔ بہت سے ہلاک اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس ہنگامہ سے جلیانوالہ باغ کا نام مشہور ہوگیا۔ اور آنے جانے والے مسافروں کے لئے زیارت گاہ بن گیا۔ تمام لیڈر گرفتار کرلئے گئے۔ لیکن دسمبر میں کانگرس کے موقعہ پر سب رہا کئے گئے۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے صدروں کا مشترکہ جلوس نکلا۔ دونوں صدر ایک ہی گاڑی میں سوار تھے۔ مسلم لیگ کا اجلاس بھی امرتسر میں ہوا۔ غرضیکہ امرتسر میں یہ ہفتہ بہت رونق کا تھا۔

سنہ ۱۹۲۳ء سے فسادات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اس کو وقت سے ہندو مسلم اور سکھ آپس میں پہلے کی طرح متحد نہ ہوسکے۔ اور بغض و کینہ دلوں میں بڑھتا گیا۔

قابل دید مقامات

دربار صاحب کے علاوہ بابا اٹل۔ مسجد شیخ خیرالدین، مسجد محمد جان، بعض ہندو مندر۔ مندر لکشمی نارائن۔ جو ہندو سکھ نزاع کی وجہ سے دربار صاحب کی طرح درگیانہ تالاب میں تعمیر کیا گیا۔ رام باغ، نکلسن پارک اور رایچی سن پارک اچھی سیرگاہیں تھیں

کالج اور مدارس

امرتسر میں مندرجہ ذیل کالج اور مدارس تھے:۔

۱۔ خالصہ کالج ہندوستان بھر میں سکھوں کا سب سے بڑا کالج ہے۔ جس کی عمارت نہایت عالی شان ہے۔ جو شہر سے چند میل کے فاصلہ پر جی ٹی روڈ پر واقع ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہائی سکول بھی ہے۔ اور اس کی چند ابتدائی اور ثانوی مدارس۔

۲۔ اسلامیہ کالج۔ اس کی بنیاد ۱۸۸۲ء سے ایک معمولی سکول سے رکھی گئی۔ اور رفتہ رفتہ کالج کے درجہ تک پہنچا۔ جس کے ساتھ تین ہائی سکول اور متعدد لڑکیوں اور لڑکوں کے مڈل، پرائمری اور لوئر سکول تھے۔ اس کالج اور مدارس کا انتظام انجمن اسلامیہ کے ہاتھ میں تھا۔ مگر گذشتہ انقلاب نے ان کا بھی خاتمہ کر دیا۔ کالج کی عمارت ہال دروازے کے اندر کنہیالال کے منڈوہ کے پاس ہے۔ جو اب سکھوں کے قبضہ میں ہے۔

۳۔ ہندو سبھا کالج۔ جو ہندو سبھا کی طرف سے قائم ہے۔ اور اس میں زیادہ تر ہندو طالب علم ہیں۔

مدارس

اسلامیہ کالجیٹ ہائی سکول، اسلامیہ ہائی سکول، مسلم ہائی سکول، خالصہ کالجیٹ ہائی سکول، ہندو سبھا ہائی سکول، بیجناتھ ہائی سکول، بالمکند کھتری ہائی سکول، گوکل چند ہائی سکول، گورنمنٹ دیو نگر سکول، شری رام آشرم ہائی سکول آرٹ سکول، مختلف مذہبی جماعتوں اور میونسپل کمیٹی کی طرف سے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے بہت سے ابتدائی اور ثانوی مدارس قائم تھے۔

امرتسر کی مشہور مجالس

انجمن اسلامیہ۔ یہ مجلس بہت مدت سے قائم ہے۔ جس کے صدر خاں

بہادر خاں محمد شاہ ، خاں بہادر حاجی غلام حسن ، خاں بہادر شیخ غلام حسن ، خاں بہادر شیخ غلام صادق ، اور شیخ صادق حسن رہے۔

سکرٹری۔ میاں اسد اللہ وکیل ، بیرحبیب اللہ ، بابو نظام الدین ،

انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند :۔ صدر میاں اللہ دتا سوداگر چرم ، سکرٹری شیخ محمد عمر بیرسٹر تھے۔

یہ دونوں مجالس اب وہاں سے ہمیشہ کے لئے پاکستان میں آگئی ہیں۔ اور جدید انتخابات عمل میں آئے۔

علمی و ادبی مجالس

منروا لوج :۔ صدر منشی غلام قادر فرخ اور پنڈت سروپ نرائن ایمن بی اے۔ جو ۱۲ سال کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے صدر رہے۔ یہ مجلس سنہ ۱۹۰۰ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک قائم رہی۔ جس میں بلا لحاظ مذہب و ملت سب شامل رہے۔

بزم اردو :۔ صدر ڈاکٹر کچلو۔ سکرٹری منشی غلام قادر فرخ۔ اس میں بھی امرتسر کے قابل علمدوست اور ادیب شامل تھے۔

بزم سروش :۔ صدر منشی غلام قادر فرخ۔ سکرٹری پنڈت کرپارام ناظم تھے۔ اس میں بھی امرتسر کے ہندو مسلمان اور سکھ علمدوست ادیب و شاعر شامل تھے۔

ٹمپرنس سوسائٹی :۔ یہ مجلس منشیات کے خلاف سنہ ۱۸۹۰ء سے قائم ہے جس کے مشہور صدر پنڈت بشن نرائن رازدان (مرحوم) اور سکرٹری لالہ نندلال (مرحوم) تھے۔

مذہبی و سیاسی مجالس

کانگرس کمیٹی۔ آریہ سماج۔ آریہ لیگ۔ ہندو سبھا۔ ہندو لیگ۔ سناتن دھرم سبھا۔ گوردوارہ پربندھک کمیٹی۔ اکالی دل۔ سنگھ سبھا۔ سکھ لیگ۔

امرتسر کا رقبہ اور آبادی۔

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے رو سے۔ ضلع امرتسر کا رقبہ ۱۶۰۱ مربع میل۔ تھا۔ طول ۴۸ میل اور عرض ۴۳ میل۔ آبادی ۱۴۱۳۸۵۰ نفوس کی اور شہر امرتسر کی آبادی ۳۹۱۰۱۰ نفوس کی۔ جس میں مسلمان ۱۵۳۷۲۳۔ ہندو ۱۳۳۸۵۵۔ سکھ اور دیگر اقوام ۷۶۳۵۸۔

خصوصیات

امرتسر نہایت خوبصورت۔ بارونق اور آب و ہوا کے لحاظ سے بہترین شہر تھا۔ چالیس پچاس سال میں اس نے بہت ترقی کی۔ شہر میں آبادی کی گنجائش نہ رہی۔ اور اس کے چاروں طرف بہت سی نو آبادیاں بن گئیں۔ مثلاً شریف پورہ، تحصیل پورہ، حسین پورہ، شمس آباد، لاجپت رائے نگر، کوٹ خاں محمد شاہ، اسلام آباد، ہری پور، دائم گنج، اور دیگر بہت سی تھیں۔ جن کے نام یاد نہیں۔

مگر گذشتہ انقلاب اور تعصب کے طوفان نے شہر کو تباہ برباد کر دیا۔ نو آبادیوں کو خاک میں ملا دیا۔ عالی شان مکانوں کی جگہ کھنڈرات ہیں۔ بارونق دوکان کی جگہ لکڑی کی عارضی دوکانیں ہیں۔ ہر طرف بے رونقی اور اداسی سلط ہے۔ نہ تجارت ہے نہ صنعت و حرفت۔ نہ مزدور پیشہ ہیں نہ اہل حرفہ نہ وہ رونق نہ وہ چہل پہل۔ ہندو بھی بہت کم رہ گئے ہیں۔

ہاں خالصہ جی کرپانیں تانیں ۔ بلم اٹھائے ۔ جو بولے سو نہال "ست سری اکال"
کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں ۔ جب شہر کا موجودہ نقشہ سامنے آتا ہے ۔ تو
بے اختیار دل سے یہ صدا نکلتی ہے ؎

چمن کے تخت پر جب شاہد گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج اک شور تھا غل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں یہ کہتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

شہر کے بنانے والے

امرت سر کی اخلاقی ، اقتصادی ، ادبی ، علمی ، اور مجلسی حالت سدھارنے والے حسب ذیل نیک دل اور فرشتہ سیرت انسان تھے ۔ خدا ان کو آغوش رحمت میں جگہ دے ۔

خان بہادر خان محمد شاہ ، خان بہادر حاجی غلام حسن ، خان بہادر شیخ غلام حسن خان بہادر شیخ غلام صادق ، خان بہادر خواجہ غلام صادق ، شیخ محمد عمر ۔
رائے بہادر کلیان سنگھ ، رائے بہادر گوپال داس بھنڈاری ، رائے بہادر رتن چند ، بابو کنہیا لال وکیل ، پنڈت بشن داس رازدان ، لالہ نند لعل سکرٹری ٹیمپرنس سوسائٹی ۔

جنہوں نے شہر کی بربادی میں حصہ لیا ۔ ان کے نام ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ان میں اکثر ہندو سکھ لیڈر ہیں ۔ خدا ان سے سمجھے ۔

اِنقلاب یا زلزلہ

امرت سر اور مشرقی پنجاب کے دوسرے علاقوں سے تہیدست ہو کر آئے لیکن بعض باہمت لوگ اپنا سب کچھ لے آئے۔ پاکستان پہنچے۔ تو یہاں بھی ہندو سکھ اپنی جائدادیں اور مال و اسباب چھوڑ گئے تھے۔ بے خانماں مہاجروں نے یہاں رہنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ ایک تو وہ تھے جو بغیر پوچھے مکانوں کے تالے توڑ کر اندر جا گھسے۔ اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے وہ جنہوں نے اپنے اثر رسوخ کے بل پر حکام سے جو چاہا لے لیا۔ تیسرے وہ جنہیں قانون کی پابندی اور حکام کی رضا جوئی منظور تھی۔ نہایت خسارے میں رہے۔ سر چھپانے کے لئے جگہ بھی ملی تو بڑی مشکل سے۔ بعض بیچارے تو اب تک حیران پھر رہے ہیں۔

یہ انقلاب وہ خوفناک زلزلہ تھا۔ جو آباد علاقوں کو غرق کر دیتا ہے اور سمندر کے پانیوں سے نئے جزیرے پیدا کر دکھاتا ہے اسی طرح بہت سے لوگ جو کوڑی کوڑی کے محتاج تھے۔ خوشحال اور جائدادوں کے مالک بن گئے۔ اور جو بڑے متموّل اور صاحب ثروت تھے۔ مفلس و قلاش ہو گئے۔ ع

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔

یہ سانحہ نہایت عبرتناک تھا۔ مگر اس سے مسلمانوں نے عبرت حاصل نہیں کی بلکہ پہلے سے زیادہ گمراہ، غافل، خودسر، کینہ توز، عیاش اور آرام طلب ہو گئے۔ کیا راہِ راست پر لانے کے لئے ہم پر کوئی اور عذاب نازل ہو گا؟ خدا اس سے محفوظ رکھے۔ اپنے رحم و کرم سے سیدھی راہ پر لائے۔ اور ہمیں سچّا مسلمان بنائے۔ آمین۔

نقشہ شہر امرتسر

رام باغ

شریف پورہ

دروازہ رام باغ

دروازہ مہاں سنگھ

جلیاں والا باغ

دروازہ لوہگڑھ

دروازہ خزانہ

دروازہ گلوالی

دروازہ چاٹی ونڈ

ہومیوپیتھی کی مفید عام اردو کتب

مصنفہ ڈاکٹر ایم۔ اے۔ سعید ہومیو

(۱) عملی ہومیوپیتھی:۔ ہومیوپیتھی پر جامع کتاب ۴ حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔
(ا) فلاسفی ہومیوپیتھی اور اس کا مقابلہ (ب) دوا سازی (ج) میٹیریا میڈیکا (د)
علاج الامراض۔ گیارہ سو سے زیادہ صفحات۔ قیمت۔ ۱۲ روپے۔

(۲) عورتوں کی خاص بیماریاں:۔ شباب، شادی، حیض، حمل اور وضع حمل، بچوں کی نگہداشت وغیرہ کا مکمل حال درج ہے۔ آخر میں ضمیمہ با تصویر۔ قیمت ۲ روپے

(۳) بچوں کی عام بیماریاں اور ان کا علاج۔ دوسرا ایڈیشن اضافہ شدہ۔ اس میں بچہ کہاں سے آتا ہے۔ بچے کی پرورش۔ دیکھ بھال اور بیماریوں کا علاج اور امراض سے بچنے کے طریقے درج ہیں۔ قیمت دو روپے۔

(۴) بائیوکیمسٹری:۔ بائیوکیمک پر جامع کتاب۔ پہلے حصہ میں بائیوکیمسٹری کی لائف دوسرے میں بائیوکیمسٹری اور ہومیوپیتھی۔ تیسرے حصہ میں دوا سازی۔ خواص الادویہ۔ چوتھے حصہ میں علاج الامراض۔ پانچویں میں بائیوکیمک نمکوں کی معاون ادویہ چھٹے میں ریپرٹری۔ قیمت ۵ روپے۔

(۵) رہنمائے بائیوکیمسٹری:۔ اس میں مختصر طریق دوا سازی۔ خواص الادویہ اور علاج الامراض درج ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

(۶) کلید ہومیوپیتھی چھپ رہی ہے۔

(۷) ہومیوپیتھی گائیڈ چھپ رہی ہے۔ (۸) فیملی گائیڈ پریکٹس انگریزی چھپ رہی ہے۔

(زناری برقی پریس بیرون اکبری دروازہ لاہور)

اسلام کے جانباز

روشنی پاتا ہوں میں ہر کام پر وقتِ سفر
نقشِ پائے رفتگاں ہیں رہنما میرے لئے

اسلام سبق دیتا ہے۔ وحدانیت، عزم، استقلال، صداقت اور جاں نثاری کا۔ جب تک مسلمان ان سنہری اصولوں پر چلتے رہے۔ تمام دنیا پر چھا گئے۔ اور بڑے بڑے فرعون مزاج شہنشاہ ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے۔ اسلام کی حقیقی تعلیم سے روگرانی کی۔ غلاموں کے بھی غلام ہو گئے۔

"اسلام کے جانباز"۔ اس کتاب میں نہایت تحقیق و کوشش سے ان اُولوالعزم مشاہیر اسلام کے حالات فراہم کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے اسلام پر دنیاوی جاہ و حشم قربان کر دیا۔ اسلام پر اپنی جانیں نثار کر دیں۔ اور بڑی بڑی قہرمانی طاقتوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں ذرا خوف نہ کھایا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک جن بہادروں نے خدا کی راہ میں کسی مصیبت کی پرواہ نہ کی۔ ان کے سبق آموز اور جرأت افروز حالات درج ہیں۔

خود پڑھئے اور اپنی اولاد کو پڑھائیے۔ تاکہ وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح اسلام کے سچے مبلغ اور پاکستان کے اُولوالعزم شہری بن جائیں۔

(زیرِ طبع) مصنفہ فرخ امرتسری۔ قیمت عہ/

پاکستانی گیت

پاکستان کے تخیل، مطالبہ، قیام اور تحفظ کے مختلف مراحل میں مسلمانوں کو جن مشکلات، صبر آزما امتحانات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اُن سے پاکستان کے باشندے بخوبی واقف ہیں۔ عوام نے مسلسل جدوجہد سے کام لیا۔ اہل قلم حضرات نے اپنی قوتِ تحریر کے جوہر دکھائے۔ اور مقررین نے اپنے دلولہ انگیز جذبات کا اظہار کیا۔

اس زمانے میں جبکہ ایک نئے اسلامی وطن کی تخلیق ہو رہی تھی کا رشتی اور خیالات کی زبردست رو ایک شاعر کے دل میں بیقرار۔ یہ نظمیں اور گیت لکھے گئے۔ گویا ان مختصر منظوم اوراق میں اس انقلابی دور کی ایک بسیط تاریخ موجود ہے۔ جس کے ایک ایک لفظ میں، تمناؤں کا طوفان، جوش و خروش کا سیلاب اور والہانہ مساعی کا ہجوم نظر آتا ہے۔

فرخ امرتسری کی اس واقعاتی منظوم تصنیف میں اپنے ماضی کی سبق آموز خیالی تصاویر ملاحظہ فرمایئے۔

قیمت ۱۲ / ۔ فی جلد ۔ مندرجہ ذیل مقامات سے طلب فرمایئے۔

ترک ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ ۔ نسبت روڈ۔ لاہور

اورینٹل ہومیوپیتھک سٹور اینڈ ہسپتال 9 نکلسن روڈ۔ لاہور

ظہیر برادرز [illegible] روڈ۔ لاہور

دواخانہ ہومیوپیتھی [illegible] روڈ۔ لاہور

مکتبہ ادبیات فرخ ۔ کچا نسبت روڈ ۔ ولٹن لین ۴۲ لاہور